ربیع الاول 1431ھ/مارچ 2010ء

موجودہ نظام تعلیم خوف اور دہشت
میں اضافے کا ایک سبب ہے۔

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

FM 100 اور اس کے علاوہ دیگر مواقع پر

مفتی محمد سعید خان صاحب

کے نشر ہونے والے بیانات کے موضوعات کی فہرست

ردّ باطل

تاریخ

یہ تمام موضوعات کیسٹ، سی ڈی اور ڈی وی ڈی میں دستیاب ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا

اے ہمارے پروردگار یقیناً ہم نے ایک
عظیم الشان دعوت دینے والے شخص کو سنا جو کہ ایمان قبول کرنے کی
دعوت دیتے ہوئے پکار رہا تھا کہ ”لوگو مانو اپنے پروردگار کی“ پھر ہم نے اس کی بات مان لی۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ

سوائے ہمارے مالک ہمارے فائدے کیلئے
ہمارے کبیرہ گناہوں سے درگذر فرما اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو ہم سے
دور کر دے اور ہمیں اپنے بہت نیک بندوں میں شامل کر کے اپنے پاس بلا لے۔

(پ:٤۔س:ال عمران۔آیت ۱۹۳)

ماہنامہ

المنادٰ

جلد:1 | ربیع الاول 1431ھ / مارچ 2010ء | شمارہ:2

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

مؤسس ومسؤل

مفتی محمد سعید خان

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

پتہ برائے خط و کتابت:

ادارہ الندوہ شفیع پلازہ

بینک روڈ صدر راولپنڈی

ٹیلی فون: 0092-51-5111725

موبائل: 0333-5134333

E-Mail: alnadwa@seerat.net

www.seerat.net

برائے ترسیل زر:

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاؤنٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان لمیٹڈ

پاکستان فی پرچہ: 25 روپے

پاکستان سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجہ ذیل بیانات 15,16 اور 18 اکتوبر 2004 کو ریڈیو F.M100 اسلام آباد کے پروگرام عبقات میں بالترتیب نشر کیے گئے تھے، جنہیں اب تحریر کی صورت میں، پڑھنے کے لیے، آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے.

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے تقریباً آخری حصے میں (جہاں پر یہ کتاب گویا کہ ایک طرح سے مکمل ہو رہی ہے) انہوں نے "دیت" کے بارے میں بحث کی ہے اور وہ احادیث لائے ہیں جن میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ مہذب معاشروں میں قوانین کا احترام، صحیح قوانین کا نفاذ اور انسانی حقوق میں کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی تلافی کیسے کی جائے گی. اس معاملے میں انہوں نے ایک باب قائم کیا ہے.

السن بالسن — دانت کے بدلے میں دانت

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے دو لڑکیوں کی باہمی لڑائی میں یہ حکم دیا کہ جس لڑکی نے دوسری لڑکی کو مُکا مار کے اُس کے دانت توڑ دیے ہیں اِس پہلی لڑکی کے دانت بھی اُس کے قصاص میں توڑے جائیں. اور الفاظ یہ آئے ہیں.[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب "والسِنّ بالسِنّ"، رقم الحدیث: ٦٨٩٤.

حدثنا الانصاري: حدثنا حميد، عن أنس رضي الله عنه: أن ابنة النضر لطمت جارية فكسرت ثنيتها، فأتو النبي ﷺ، فأمر بالقصاص.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نضر کی بیٹی نے ایک دوسری لڑکی کو مکا مارا اور اُس کے دانت توڑ دیئے یہ مقدمہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے سامنے پیش ہوا اور آپ نے دانتوں کے بدلے میں دانتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔

جس لڑکی نے مُکا مارا تھا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ اور جب حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ فرما دیا کہ دانت توڑنے کے عِوض میں اس لڑکی کے دانت توڑے جائیں، تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس حکم کو جتنے بھی لوگ سن رہے تھے اُن کے لئے یہ حکم کیا ایسا ہی قطعی اور یقینی نہیں ہو گیا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام اور جیسے اس کی نازل کردہ کوئی آیت؟ یقیناً ایسے ہی تھا۔ حضراتِ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم جو بات حضرت رسالت مآب ﷺ سے براہ راست سنتے تھے اگر وہ فرض اور واجب کے درجے کی ہوتی تھی تو اُس کا ماننا اُن کے لئے ایسے ہی ضروری تھا جیسے اللہ کے حکم کا ماننا قرآن اور براہ راست سنی ہوئی حدیث ان کے لیے دونوں قطعی اور یقینی چیزیں تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک جملہ ارشاد فرمایا۔ بس اصل بات وہ جملہ بتاتا ہے۔ انہوں نے کہا: کہ کیا میری ہمشیرہ، میری بہن کے دانت اُس لڑکی کے دانت کے عِوض میں توڑے جائیں گے، اللہ کی قسم نہیں۔ —

بس یہ ہے وہ بات۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حقیقتاً حضرت رسالت مآب ﷺ کے خادم تھے اور اُنہوں نے نو یا دس سال آپ کی خدمت کی تھی اور محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ساری خدمت کے عرصے میں حضرت رسالت مآب ﷺ سے کبھی کوئی ڈانٹ نہیں سنی اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی بات پر مجھے ٹوکا کہ انس (رضی اللہ عنہ) یہ کام کیوں کیا یا یہ فرمایا ہو کہ یہ کام کیوں نہیں کیا تو اس سے جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ کے بڑے ظرف کی اطلاع ملتی ہے وہاں یہ بھی تو پتہ چلتا ہے کہ

انہوں نے کس ادب، احترام اور کتنی احتیاط سے خدمت کی ہوگی اور کتنے مزاج شناس تھے حضرت رسالت مآب ﷺ کے، کہ انہوں نے کبھی کوئی حرکت ایسی کی ہی نہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف سے کوئی عتاب نازل ہوتا۔ اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ابن ماجہ کی روایت میں آتا ہے کہ یہ جب حضرت رسالت مآب ﷺ کے جنازے اور تدفین کے بعد لوٹے ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آئے اور صاحبزادی صاحبہ نے پردے کے پیچھے سے صرف ایک جملہ کہا:

> ''انس (رضی اللہ عنہ) جن ہاتھوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کی اتنے برس خدمت کی، اُن ہاتھوں نے یہ کیسے گوارہ کر لیا کہ آج مٹی ڈال کے چلے آئے''۔[1]

تو عرض یہ کرنا ہے کہ اتنی شدید محبت اور خدمت کے باوجود، حضرت رسالت مآب ﷺ کے فیصلے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے کہہ دیا:

> ''اللہ کی قسم یہ دانت نہیں توڑے جائیں گے''۔

ایک اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے فیصلے کے بعد جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ سنا تو ارشاد فرمایا:

> ''اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو کسی بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے''۔[2]

اِس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ یہ جان گئے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ اپنے فضل

---

[1] سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ج:٢، ص:٣٠٠، رقم الحديث: ١٦٢٩.

[2] صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: الصلح في الدية، رقم الحديث: ٢٧٠٣.

وکرم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس قسم کی لاج رکھ لیں گے.
اور قصہ باقی کا یہ ہوا کہ جن لوگوں نے قصاص میں اپنی لڑکی کے دانتوں کے عوض میں دانت توڑنے تھے اُنہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ آپ فیصلہ مال پر فرما دیجیے کہ یہ کچھ پیسے ہمیں دے دیں اور ہم اِن کی لڑکی کے دانت نہ توڑیں. اور پھر فیصلہ مال پر ہی ہوگیا.
حافظ اِبن حجر رحمۃ اللہ علیہ، حدیث کے بہت بڑے شارح اور اللہ تعالیٰ کے بڑے مقبول بندوں میں سے تھے. ان کی حدیث کی خدمات پر اللہ تعالیٰ نے ان پر جو مہربانی کی اور جو دنیا کو دکھا دیا وہ یہ تھا کہ اُن کی سوانح میں لکھا ہے، اور اُن کے شاگرد کہتے ہیں کہ جب اُن کا انتقال ہوا ہے تو شدید گرمی پڑ رہی تھی ہم نے اپنے شیخ، امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اُٹھایا تو اُن کے جنازے پہ بارش برسنے لگی اور بادلوں نے سایہ کرلیا اور یہاں تک کہ جب ہم اُنہیں قبر میں اُتار کر مٹی ڈال چکے تب وہ ہلکی ہلکی پھوار، جو برس رہی تھی ختم ہوئی.[1]
یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا اظہار تھا کہ خدا نے دین کی خدمت کو ان سے قبول فرمایا.
یہ امام حدیث حافظ اِبن حجر رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے فیصلہ سے بالکل انکار نہیں کیا اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے معاذ اللہ اس فیصلے کو رَد کردیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اللہ پر بھروسہ کرکے یہ قسم اُٹھائی کہ خدا اِس کی کوئی نہ کوئی اور صورت نکال دے گا. جنہوں نے دانت توڑنے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی بات اُن کے دل میں ڈال دے گا کہ وہ معاف کردیں گے یا پیسے لے لیں گے. یا کوئی اور صورت نکل آئے گی اور میری بہن کے دانت نہیں توڑے جائیں گے.
پھر حافظ اِبن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہی بتاتے ہیں کہ "طیبی" نے بڑے یقین کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے حکم کی نفی نہیں کی. اور قصاص سے انکار

---

[1] الجواهر والدرر فی ترجمة حافظ ابن حجر للسخاوی، الباب التاسع، ج: ۳، ص: ۱۱۹۳.

نہیں کیا، بلکہ اُن کا خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے مخالفین کو اس مسئلے کا کوئی اور حل سجھا دے گا اور میری ہمشیرہ پر یہ قصاص نافذ نہیں کیا جائے گا۔[1]

اس حدیث کی (جو صحیح ترین احادیث میں سے ہے اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری کے آخر میں لائے ہیں) تشریح میں صرف یہ بات عرض کرنا ہے کہ بات کہنے میں سب انسان برابر نہیں ہُوا کرتے۔ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور اعتماد پر کوئی بات کہہ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی بات کی لاج، شرم رکھ لیتا ہے، خدا اُن کی بات پوری کر دیتا ہے۔ اور آنے والا وقت بتاتا ہے کہ جس زبان نے یہ بات کہی تھی اُس زبان کے اِس جملے کی قدر، اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا تھی!

سینکڑوں گاڑیاں جو چوراہے سے گزرتی ہیں اگر ہر گاڑی والا گاڑی کو روک کر چوراہے میں کھڑے ہوئے پولیس مین (Police Man) سے یہ جملہ کہے، کہ تمہیں میں نے نوکری سے ہٹا دیا، تو آپ خود سوچیے کہ ایک ہزار افراد بھی اس جملے کو کہیں تو بھی یہ پولیس مین (Police Man) اپنے عہدے سے معزول نہیں ہو سکتا اور اگر اُس محکمے کا کوئی بڑا افسر جو در حقیقت اپنے محکمے میں کسی کو رکھ سکتا ہے اور نکال سکتا ہے وہ صرف چلتے ہوئے زبان سے تو درکنار صرف اشارہ بھی کر دے نا، کہ تم ڈس مس ہو گئے، تو بس اُس افسر کا اشارہ بھی کافی ہے جو جملہ ہزار آدمیوں نے کہا وہی ایک جملہ ایسا آدمی کہہ دے جس کا کوئی تعلق، اختیار ہے تو اُس جملہ میں وزن پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا کوئی بس نہیں چلتا، اللہ کے ہاں کسی کا کوئی اختیار نہیں چلتا، حقیقی مالک وہی اللہ ہے لیکن محض اس کے اپنے فضل و کرم سے (حضرت رسالت مآب ﷺ کے ارشاد کے مطابق) اُس کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اُس کے اعتماد پر، اُسی ہی کے بھروسے پر اُس ہی کی ذات پر مٹے ہوئے، اُسی کی ذات کے نام کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُس قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اِس لئے زبان جو بات کرنے والی ہوتی ہے، اُس زبان پر بھی غور کر لینا چاہیے کہ یہ زبان کس کی ہے، یہ جملہ کس کے منہ سے نکل رہا ہے اگر اُس کی حیثیت کا، آدمی کو

---

[1] فتح الباری، کتاب الدیات، باب السن بالسن، ج: ۱۲، ص: ۲۲۵.

اندازہ ہو جائے تو آدمی پھر سوچ میں بھی پڑ جاتا ہے، اُس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اِس جملے کو بولنے والے کا تعلق کس سے ہے؟ جو معاشرہ تشکیل پا رہا ہے یہ تشکیل درست نہیں ہے اِس تشکیل کو روکنا چاہیے ہمارے معاشرے میں بڑی تیزی سے زبانوں کا اعتبار اور ان کا لحاظ اٹھتا چلا جا رہا ہے اور ایک فقرے میں ساری بات کو سمیٹیں تو چھوٹے بڑے کی تمیز اُٹھتی چلی جا رہی ہے. بڑا یہ نہیں سمجھتا کہ میرا یہ جملہ کتنا سنگین ہو سکتا ہے اور چھوٹا یہ نہیں سمجھتا کہ میرے بڑے جو بات کہہ رہے ہیں، ممکن ہے اللہ تعالی ان کی زبان کی لاج رکھ لے اور مجھے خیر و برکت سے کوئی حصہ مل جائے. جن لوگوں کو اللہ تعالی نے کوئی مقام دیا ہو اُن کو ستانا، اُن کو تنگ کرنا، اُن کی بات نہ ماننا اور زندگی کی راہیں اپنی خود مختاری سے طے کرنا، یہ سب خطرناک چیزیں ہیں اُن سے مستقبل برباد ہو جاتا ہے اس لیے ایسی حرکتوں کو چھوڑ دینا چاہیے.

آج جو چھوٹے ہیں کل یہ بڑے بن جائیں گے اور آج جو بڑے ہیں کل کو یہ قبر میں چلے جائیں گے دونوں ہی طرف اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، بڑا اپنی بڑائی کا زعم نہ جتائے اور چھوٹا اپنے چھوٹے ہونے کے باوجود یہ نہ سمجھے کہ بڑے کا کوئی ادب، اور اُس کی قدر و قیمت کوئی چیز نہیں.

یاد رکھو! اللہ تعالی کو کبھی کبھی اپنا فیصلہ نافذ کرنا ہوتا ہے اور وہ ایک جملہ کسی کی زبان سے کہلوا دیتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات کہنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر نافذ ہو جاتی ہے. اس لیے جو شخص بھی علم میں، عمل میں، سب سے بڑھ کے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں آپ سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور تقوی میں آپ سے بڑا ہے، ضرور اُس کا ادب کرتے رہیے. اُن کی بے ادبی اور اُن کا احترام نہ ہونا یہ معاشرے کو بھی خراب کرتا ہے، اور گھر کو بھی خراب کرتا ہے. ماں باپ بڑے ہیں اور اللہ نے اُن کا حق رکھا ہے، اُن کے حق کو ضائع نہ کرے. رشتے کے اعتبار سے کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا ہے، لیکن اللہ نے اُسے تقویٰ زیادہ دے دیا، اللہ نے اُس کو علم زیادہ دے دیا، اللہ تعالی نے دین کی سمجھ اُسے زیادہ دے دی ہے تو اس بڑے پر لازم ہے کہ اُس چھوٹے کا بھی ادب و احترام کرے کیونکہ بات اُس چھوٹے کی ذات اور رشتے تک محدود نہیں رہی، بات اُس چھوٹے کے اور اللہ تعالیٰ

کے تعلق تک پہنچ گئی ہے.

ابو عبداللہ قلانسی[1] رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب علم اور صاحب حال بزرگ تھے اُن کی تعریف اور اُن کے مناقب تو اب کیا بیان کرنے ،علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بحری سفر میں گئے، سمندر بگڑا ،طوفان آیا اور جہاز ہلنے لگا ،لوگ رونا ،گڑگڑانا شروع ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے ،حتیٰ کہ جب بھنور زیادہ پڑا تو منتیں ماننی شروع کیں .لوگوں میں سے کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا ،کسی نے کوئی منت مانی ،اور کسی نے کوئی منت کہ یا اللہ! آج نجات مل جائے تو میں یہ پیش کروں گا اور میں یہ پیش کروں گا ،یہ سب کو دیکھتے رہے ، کسی نے کہا حضرت آپ بھی کوئی منت مانیں ،تو اُنہوں نے کہا دنیا کی کوئی چیز میرے قبضے میں نہیں ہے ،منت مانوں تو کس چیز کی مانوں اور اُس ذاتِ پاک کے سامنے پیش کروں تو کیا پیش کروں .لوگ گھبراہٹ میں تھے اُنہوں نے کہا ہم سب جو کچھ کر رہے ہیں تم بھی کرو ،کوئی تو نذر مانو تو اُنہوں نے بھی ایک جملہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اگر اِس مصیبت سے بچادے تو میں ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا .لوگوں کو بہت غصہ آیا اور اُٹھ کر چل پڑے ، اُنہوں نے کہا عجیب آدمی ہے ، دیوانہ ، ہاتھی کا گوشت بھی کبھی کسی نے کھایا ہے؟ منت بھی مانی ہے تو کیا ، کیا یہ موقع ہنسی اور مذاق کا ہے.

حضرت ابو عبداللہ قلانسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چیخو نہیں تم سب جانتے ہو کہ میرے پاس کچھ ہے نہیں جب تم نے اصرار کیا تو میرے دل میں یہی بات آ گئی یہی میں نے تم سے کہہ دی ، باقی مجھے کچھ نہیں معلوم.

کچھ دیر کے بعد جہاز ٹوٹا ، اور اس کے تختے ہو گئے . یہ لوگ ایک تختے پہ بچ گئے اور سمندر کی لہروں نے اِنہیں ایک جزیرے میں پھینک دیا .لوگوں کے سانس درست ہوئے ، جان میں جان آئی اور کچھ دیر کے بعد لوگ بھاگے کہ اِس جزیرے میں کھانے پینے کی اشیاء تلاش کریں تو وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا ، درخت

---

[1] حلیة الاولیاء ، ج: ۱۰ ، ص: ۱۶۰ ، تحت رقم: ۵۳۰ القلانسی .

تھے، پتے تھے اور جڑی بوٹیاں تھیں جن سے بھوک مٹانا دشوار تھا حتیٰ کہ ایک دن، دو دن بیت گئے تو لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے اور اس جزیرے میں اچانک ایک ہتھنی کا بچہ سامنے آ گیا تو ان بھوکے پیاسے لوگوں نے اسے پکڑ کے مار ڈالا اور گوشت بھون کے کھانے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں حرام اشیاء کھانے کی اجازت دی ہے اور اگر یہ حرام گوشت نہ کھاتے تو ہم تو بھوک سے مر جاتے، پھر ان لوگوں نے ہاتھی کا گوشت ان کے سامنے بھی رکھا، تو اِنہوں نے کہا میرے پاس کوئی چیز تھی ہی نہیں اور میں نے نذر مان لی تھی کہ ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا، تم نے اُس دن کہا تھا کہ میں دیوانہ ہوں اور میرے جی میں یہی آیا تھا اور بھوک مجھے بھی ہے اور میں اب بھی اپنی نذر کو توڑ سکتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ ایک تو ویسے ہی پاس کچھ نہیں تھا کہ اُس کی پاک ذات کے لئے پیش کرتا، ایک چیز جی میں آئی، وہ کہی اور اب اِس سے بھی مُکر جاؤں اور اِنہوں نے بھوک مٹانے کے لیے درختوں کے پتے کھا لیے، لوگ چونکہ وہ ہاتھی کا گوشت کھا چکے تھے اس لیے ان پر نیند طاری ہوئی اور سب سو گئے۔ اور اِتنی گہری نیند کہ لوگوں کو کچھ خبر نہیں تھی اور اِس ہاتھی کے بچے کی جو ماں تھی وہ آ گئی اور اُس نے جب اپنے بچے کی ہڈیاں دیکھیں تو غصے سے پاگل ہو گئی، میرے بچے کی ہڈیاں، اِس کا گوشت کس نے کھایا ہے؟ پھر اس نے ان لوگوں کو سونگھنا شروع کیا اور جس شخص سے اس کے بچے کے گوشت کی خوشبو آتی تھی یہ ہتھنی فوراً اپنا پاؤں اُٹھا کر اُس آدمی کے سینے پر رکھ دیتی تھی اور لوگ اتنی جلدی مر جاتے تھے کہ اُن کی چیخ کی آواز بھی نہیں نکلتی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک صحت مند ہاتھی کے پاؤں کا وزن 28 ٹن ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کو سونگھتی گئی اور مارتی گئی، اور شیخ کے سر پر بھی پہنچی تو حضرت ابوعبداللہ قلانسی رحمۃ اللہ علیہ بس لیٹے رہے اور یہ اُنہیں دیر تک سونگھتی رہی، سونڈ اُن کے جسم پر کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے لگاتی رہی اور اچھی طرح سونگھنے کے بعد اُس نے اُنہیں ٹھوکر لگائی تو شیخ کہتے تھے میں گھبراہٹ سے آنکھیں کھول کے دیکھنے لگا کہ اب کیا ہو گا؟ تو اُس ہتھنی نے اپنی سونڈ سے ایسے اشارہ کیا جیسے وہ کہتی ہو مجھ پر بیٹھ جا لیکن میں گھبراہٹ میں سمجھ نہیں پایا اور اُس نے اپنا پاؤں اُٹھایا اور دوبارہ

مجھے ٹھوکر لگائی تو میں سمجھ گیا کہ یہ چاہتی ہے کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں، میں اس پر بیٹھ گیا اور اُس نے ایک جھٹکا دیا تو میں اور اچھی طرح جم کر بیٹھ گیا، پھر وہ اِس تیز رفتاری سے بھاگی کہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں پر سبزہ اور باغات تھے، اُس نے مجھے اُتارا اور پھر واپس ہوگئی، یہ سفر تمام رات میں طے ہوا تھا اور اس وقت صبح ہو رہی تھی کچھ دیر کے بعد لوگ اس جگہ پر آنا شروع ہوئے لیکن میں اُن کی زبان نہیں جانتا تھا. پھر آخر ایک آدمی ملا جس نے ترجمانی کا کام کیا، وہ ہماری زبان بھی جانتا تھا، اور اُن کی بھی، تو میں نے اُنہیں سارا قصہ سنا دیا، اُنہوں نے کہا تم جانتے ہو کہ کس جزیرے سے آئے ہو؟ یہ ہتھنی تمہیں کہاں سے لائی ہے؟ تو میں نے کہا بالکل نہیں معلوم، اُنہوں نے کہا یہ آٹھ دن اور آٹھ راتوں کا فاصلہ تھا جسے ایک دن اور رات میں اُس نے تمہیں طے کرا دیا.

اِس لیے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ایسے بھی نافذ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کرنا ہوتا ہے پھر وہ کسی کی طبیعت میں ایک بات ڈال دیتا ہے اور جو کہنے والا کہہ دیتا ہے، اللہ اُس کی لاج رکھ لیتا ہے، اللہ اُس کی شرم رکھ لیتا ہے. تو صاحب! کسی کا حق ضائع نہ کریں، ادب سیکھیں، احترام سیکھیں، جس گھر میں، جس معاشرے میں، جن بچوں میں اور جس نسل میں ادب نہیں رہتا وہ کچھ بھی بنیں، ڈاکٹر بنیں، انجینئر بنیں، سائنٹسٹ بنیں، کچھ بنیں وہ سب کچھ بن سکتے ہوں گے، مگر انسان نہیں بن سکتے. اور جہاں انسانوں کا ادب اور احترام نہیں رہتا اللہ تعالیٰ کی برکتیں اُن بستیوں سے، اُن گھروں سے، اُٹھ جاتی ہیں. ہمیں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کا مکلّف اور پابند نہیں بنایا کہ ہم دنیا میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کریں، لیکن اس بات کا پابند بنایا ہے کہ محنت کریں اور پھر ہر انسان کو اِس بات کا بھی پابند بنایا ہے کہ وہ معاشرے میں اقدار (values) کو قائم کرے.

اِس لئے ادب بڑی ضروری چیز ہے، احترام بہت ضروری ہے، ہر زبان یکساں نہیں ہوا کرتی، تنگ کرنے اور ستانے پر جو زبان بد دعا دیتی ہے اُس زبان کا وزن محسوس کرنا چاہیے کہ اس زبان سے نکلے ہوئے بد دعا کے جملے میرے لیے زندگی میں کیا آفت لا سکتے ہیں. اور جو لوگ اِس وزن کو محسوس نہیں

کرتے وہ خود بے وزن ہو جاتے ہیں، ایسے بے وزن ہو جاتے ہیں جیسے تنکے، کہ ہوا اِن تنکوں کو اڑائے لیے پھرتی ہے، اِس طرح زندگی امن اور سکون سے بالکل عاری اور محروم ہو جاتی ہے اور انسان اس بے ادبی کے اثرات اور نحوستیں ساری زندگی محسوس کرتا ہے.

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے کہا تھا:

ے بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

جو شخص بے ادب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے، آسمان کی برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے.

اس لیے ادب اور احترام کرنا اور ہر چیز کا حق پہچاننا حقیقت میں سب سے زیادہ اسلام ہی نے سکھایا ہے. دنیا کا ہر وہ مذہب اور ہر وہ نظریہ جس کے پس پشت اور جس کی تائید میں، آسمانی وحی نہیں ہے وہاں پر ادب اور احترام کا کوئی تصور سرے سے ہے ہی نہیں، اور مذہب کوئی بھی ہو اسلام ہو، عیسائیت ہو، یہودیت ہو، اور حتیٰ کہ ہندومت کے متعلق بعض مؤرخین اور اہلِ علم کا یہ خیال ہے کہ ہندومت بھی آسمانی وحی کی ایک بہت زیادہ بگڑی ہوئی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے، اُس وحی میں، بہت تحریف ہوگئی، اور چاہے کتنی بھی تحریف ہوگئی ہو اگر اِس نظریے کو مان لیا جائے کہ اس مذہب کی بنیاد بھی آسمانی وحی پر ہے تو دنیا بھر میں جن نظریات کی بنیاد وحی پر ہے یا جن کی تائید وحی سے ہوتی ہے اُن میں ادب ایک لازمی عنصر ہے. آپ کی خدمت میں یہ عرض نہیں کیا گیا کہ ہر آدمی کا ادب، یہ الفاظ کہے گئے کہ ہر چیز کا ادب، اُن چیزوں میں مادی، بے جان چیزیں بھی آجاتی ہیں. شریعت نے اُن کا بھی ادب اور احترام سکھایا ہے. بتایا ہے کہ کاموں کے کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے، اور احترام انسانوں کا بھی اور مادی اشیاء کا بھی کیا ہے؟ اِس لئے جو چیز جس مقصد کے لئے وضع نہیں کی گئی اسے غیرِ مقصد میں استعمال کرنا، یہ بے مروتی ہے. اِس کی ایک مثال دیکھیے. حضرت رسالت مآب ﷺ نے شراب کے بارے میں کتنی سختی سے ممانعت فرما دی تھی اور اِس بات سے منع فرما دیا تھا کہ کوئی آدمی ایسی غلط حرکت کرے. مدینہ منورہ میں اور دنیا بھر میں انگور سے شراب بھی بنتی تھی. اور انگور کا صحیح استعمال، اُس کو کھانا ہے. نہ کہ

نشہ آور اشیاء بنانا ہے اور اس نعمت پہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا ہے. اُس سے شربت کی حد تک نفع اٹھانا جائز ہے، لیکن اسے شراب بنانے کے لئے استعمال کرنا، یہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز دی ہے یہ اُس کی بے ادبی ہے، بے احترامی ہے، اللہ نے جس مقصد کے لئے اُس چیز کونہیں بنایا اُس میں اُسے استعمال کیا جارہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جارہی ہے.

نسائی کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے اور ایک مرتبہ بہت پھل آیا تو انہوں نے جولوگ باغ کی حفاظت کے لئے رکھے ہوئے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ انگور اِتنے پیدا ہوئے ہیں، اتنے زیادہ کہ اب اِن کے ضائع اور برباد ہوجانے کا خدشہ ہے، اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم اِن انگوروں سے شیرا بنا کر محفوظ کرلیں. انگوروں کی اس وافر مقدار کا ایک حل یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ انہیں بیچ کر پیسے حاصل کرلیے جاتے، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ مفت میں بانٹ دیئے جاتے، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اُن کا کوئی مناسب حد تک بندوبست اور محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ اپنا لیا جائے لیکن سارے طریقے چھوڑ کے صرف ایک طریقہ لکھا کہ ہم اِس سے شیرا حاصل کر لیں اور یہ سب جانتے تھے کہ شیرا حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اِس کے بعد اِس کی شراب بنالی جائے.

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تربیت حضرت رسالت مآب ﷺ نے کی تھی اور یہ آپ کو اتنے پیارے تھے کہ ایک مرتبہ فرمایا یہ سعد میرے ماموں ہیں اور ان جیسا کسی کا ماموں ہو تو لا کر دکھائے.[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لکھا:

إذا جاءك كتابي هذا فاعتزل ضيعتي
فوالله لا أئتمنك على شيئ بعده أبداً.

جب یہ میرا خط تمہیں ملے تم اپنے آپ کو معزول سمجھو اور میری زمین اور باغات سے الگ ہوجاؤ خدا کی قسم، میرا اعتبار تم سے اُٹھ گیا ہے، میں کسی چیز کے

[1] اسد الغابة، باب السين والراء، سعد بن مالك القرشي، ج:٢، ص:٤٥٣.

بارے میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔[1]

ہمیں یہ ادب سکھایا ہے شریعت نے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے خط نے کہ اللہ تعالٰی نے جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اُسے اُسی طرح استعمال کیا جائے.

آپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ان دعاؤں پر غور کیجیے، جو اللہ تعالٰی نے سورۃ الشعراء میں نقل کی ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالٰی کے بے پناہ انعامات کو بیان کرتے ہوئے یہ تصریح کی کہ میرا رب ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور وہ اللہ تعالٰی ہی کی ذات ہے، جس نے مجھے ہدایت پر رکھا ہے. اور پھر یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے بیمار کرتا ہے اور شفاء دیتا ہے، بلکہ ادب دیکھیے اُنہوں نے کہا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ.	اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو اللہ تعالٰی مجھے شفاء دیتا ہے.
(پ: ۱۹، س: الشعراء، آیت: ۷۸)	

اس آیتِ کریمہ کے بعد والی آیت کریمہ پڑھیے تو اُس میں کہا کہ وہ جو مجھے موت بھی دے گا اور جس نے مجھے زندگی دی ہے اور مرض و شفاء والی آیت سے پچھلی آیت دیکھیے تو اُس میں فرمایا کہ وہ اللہ ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے. تو صاحب! جب وہی اللہ آپ کو کھلا رہا ہے، وہی اللہ پلا رہا ہے، اگلی آیت میں وہی اللہ شفاء دے رہا ہے اُس سے اگلی آیت میں وہی موت اور وہی زندگی دیتا ہے، تو درمیان میں مرض کی نسبت اپنی طرف کرنا کہ "جب میں بیمار ہو جاتا ہوں" یہ کیوں ہوا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جو کھلا اور پلا رہا ہے، زندگی اور موت کا مالک ہے اور جو شفاء دیتا ہے وہی تو ہے جو بیمار بھی کرتا ہے، تو پھر بیمار کرنے کی نسبت اس کی طرف کیوں نہیں کی؟

درحقیقت بات یہ ہے کہ بیمار کرنا، یہ ایک طرح کا عیب ہے اور عیب کی نسبت بڑوں کی طرف نہیں کیا کرتے اور اللہ جو سب سے بڑی ذات ہے اُس کے متعلق برائی کی نسبت کرنا یہ بے ادبی ہے. اس لیے یہ نہیں کہا کہ وہ بیمار کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بولنے میں اور اللہ تعالٰی کی حمد و ثناء میں ادب کیا ہے

---

[1] سنن نسائی، کتاب الأشربة، الكراهية في بيع العصير، رقم الحديث: ۵۷۱۳، ج: ۸، ص: ۳۲۸ .

قرآن حکیم میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملیں گی. یہ جو لوگ تحقیق اور نئی نئی باتوں کے شوق میں ادب اور احترام کو بھول جاتے ہیں اور جنھیں کچھ خیال نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا سکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اِس ادب اور احترام کو کتنا ضروری قرار دیا ہے، وہ اِس ادب کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے. یاد رکھیے! بڑے سے بڑا مفکر، بڑے سے بڑا ادیب اور بڑے سے بڑا عالم دین، کتاب وسنت، ساری اُس کو ازبر اور نوک بر زبان ہو لیکن اُس انسان کو اگر انسانوں کے ساتھ رہنے کا طریقہ نہیں آیا اور اُس نے ادب اور احترام نہیں سیکھا تو یہ سارا کچھ پڑھ لکھ کے، جھک ماری، کچھ نہیں سیکھا.

اللہ نے ادب سکھایا ہے، کہ کیسے بات کرنی ہے، اُس نے ادب سکھایا ہے، کہ کیسے کھانا ہے، کیسے پینا ہے، چیزیں پکانی کیسے ہیں، مہمان آ جائیں اُن کا کیا احترام ضروری ہے.

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک وفد، قتل کے ایک مسئلے کو حل کرنے کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وفد میں سے ایک کم عمر کے صحابی رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کر دی حضرت رسالت مآب ﷺ نے انہیں روک دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس وفد میں آپ کے ساتھ جو بڑے ہیں پہلے بات کرنا اُن کا حق بنتا ہے اس لیے بڑوں کا حق انہیں دیں.[1]

کیا ہم اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں، کہ جب کسی مجلس میں بڑے بھی بیٹھے ہوں، چھوٹے بھی بیٹھے ہوں، تو بات کرنے کا حق پہلے بڑوں کو ہے، جب وہ بات پوری کر چکیں تو پھر چھوٹے بولیں.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی نجی زندگی (Private Life) کون جان سکتا تھا، وہ فرماتی ہیں کہ:

> ''خواتین میں اپنی سیرت، اپنی چال ڈھال، عادتوں، شکل وصورت اور اپنے اُٹھنے بیٹھنے میں حضرت رسالت مآب ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ کوئی لڑکی (بنو ہاشم میں) میں نے دیکھی تو وہ صاحبزادی صاحبہ حضرتِ سیدہ فاطمہ

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب إكرام الكبير، ص:١٢٥٨، رقم الحديث:٦١٤٢.

رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور لفظ یہ آئے ہیں کہ "اشبہ صمتا و هدیا و دلاً" چلنے پھرنے میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، مزاج و عادات میں، اور شکل وصورت میں، حضرت رسالت مآب ﷺ سے جو خاتون سب سے زیادہ ملتی جلتی تھیں وہ حضرت صاحبزادی صاحبہ تھیں، اور وہ جب گھر آتی تھیں تو حضرت رسالت مآب ﷺ اُن کا اِتنا احترام کرتے تھے، کہ ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے "قام الیھــــا" حضرت رسالت مآب ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے اور اُن کی طرف آگے بڑھ جاتے تھے یعنی وہ جونہی گھر کے دروازے سے داخل ہوئیں، فرض کیجیے چند قدم چلی ہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ پڑی کہ بیٹی آ رہی ہے تو اُٹھ کے اُن کی طرف چل پڑتے تھے "فاخذبید ھا" سو حضرت رسالت مآب ﷺ اُن کا ہاتھ پکڑتے، یا اُن کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے تھے "فقبلھا" اور پھر انہیں چومتے تھے یعنی یا تو حضرت رسالت مآب ﷺ اُن کا ہاتھ چومتے تھے اور یا پھر زیادہ گمان یہ ہے کہ اُن کی پیشانی چومتے تھے "واجلسھافی مجلسه" اور جہاں پر خود بیٹھے ہوتے تھے وہاں اپنی پیاری بیٹی کو بٹھا دیتے تھے"۔ [1]

اِس حدیث میں اُن تمام لوگوں کے لئے تعلیم ہے جنہیں وقت نے بڑا بنا دیا ہے، عمر نے بڑا بنا دیا ہے یا پھر کسی بھی وجہ سے وہ خاندان میں بڑے بن گئے ہیں تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت، ادب، محبت، اور ان کا احترام کیسے ہوتا ہے۔ ہمارے گھرانوں میں سے کتنے گھرانے ایسے ہیں جہاں بیٹیاں آتی ہوں اور باپ اُن کے ساتھ شفقت کا ایسا سلوک کرتا ہو۔ ادب اور احترام کھو گیا ہے صاحب، چھلنی ہو گیا ہے معاشرہ اور حضرت رسالت مآب ﷺ کا یہ جو محبتوں کا طریقہ تھا اور یہ جو

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام، رقم الحدیث:٥١٧٥. ج: ٤، ص:٤٣٨.

طریقہ تھا دوسروں کو عزت اور احترام عطا کرنے کا اور شفقتوں کا، لوگ ان طریقوں کو بھول گئے ہیں۔ چاہیے کہ ان سنتوں پر بھی عمل ہو، اگر چہ یہ سنتیں فقہی اعتبار سے مؤکدہ نہ ہوں لیکن ادب اور محبت کی دنیا میں تو یہ موکدہ سے بڑھ کر فرض کے درجے میں ہیں اور بھولے وہ ہوتے جن کو ہم دنیا دار کہتے ہیں تو چلیے ایک بات تھی، وہ تو گنہگار تھے، انہیں تو دین کا پتہ نہیں تھا یہ دین دار بھی بھول گئے ہیں۔ ان کے گھرانوں میں کیا بیٹیوں کے ساتھ اتنی شفقت اور ان کا اتنا احترام کیا جاتا ہے؟

حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی بیٹی حضرتِ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے، اُن کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اُنہیں بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، کوئی حد ہے بیٹی کے اس احترام و اکرام کی اور کوئی حد ہے اس شفقت کے ساتھ نچھاور ہوجانے کی۔

ام المومنین حضرتِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ:

> ''حضرت رسالت مآب ﷺ جب اپنی صاحبزادی صاحبہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی اِسی طرح کھڑی ہوجاتیں تھیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کا مبارک ہاتھ پکڑ لیتی تھی، اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں''۔[1]

یہ باپ کا ادب ہے، اور وہ پہلا رویہ باپ کی شفقت اور محبت ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی عزیز، محبوب، اپنے بزرگوں کے لئے، اکرام اور احترام کے لیے کھڑے ہوجانا، یہ ادب کی بات ہے تمیز کی بات ہے۔ اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے ہونے پر حضرت رسالت مآب ﷺ بُرا مناتے تھے[2] تو اُس کی وجہ کچھ اور ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا وہاں کوئی رشتے داری کا تعلق نہیں تھا اور وہاں

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام ، رقم الحدیث:٥١٧٥. ج: ٤ ، ص:٤٣٨ .

[2] حدیث میں آتا ہے، لا تقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضاً. (مسند احمد،حديث أبو امامة الباهلي، رقم الحديث:٢٢١٨١. ج:٣٦، ص: ٥١٥).

ایک حیثیت حضرت رسالت مآب ﷺ کی امیر کی تھی اور باقی لوگ اُن کے مامور تھے، چھوٹے تھے تو اس بات سے منع کر دیا کہ کوئی آپ کے لئے کھڑا ہوتا کہ آئندہ اُمت میں لوگ کسی کی خوشامد کے لئے نہ کھڑے ہونے لگیں. لیکن یہاں یہ بات نہیں تھی، یہ تو اپنا گھر ہے، صاحبزادی صاحبہ ہیں، تشریف لائیں ہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کھڑے ہوگئے ہیں اور اپنے والد گرامی قدر کی خدمت میں حاضر ہورہی ہیں تو وہ مکمل، برابر شفقت، احترام اور محبت کا معاملہ فرماتے ہیں، اسی لئے حکم یہ ہے کہ یہ طریقے چھوٹوں کو سکھائے جائیں اور اُنہیں بتایا جائے کہ اِس ادب اور احترام کو گھر کی چار دیواری کے اندر قائم کریں تا کہ وہ بچے جب اس چار دیواری سے باہر جائیں تو دیکھنے والا یہ اندازہ لگالے کہ ان بچوں کی تربیت ہوئی ہے، اور یہ گھرانہ اس قابل ہے کہ اِن افراد سے تعلق رکھا جائے.

آپ کے گھر میں کچی زمین ہے، آپ ایک درخت لگاتے ہیں مثلاً آم کا پیڑ لگالیا، اور اُس کی ساخت و پرداخت کی اُس پیڑ میں جو زیادہ شاخیں آگئیں اُنہیں کاٹ دیا، اِسی طرح آپ اس پیڑ کے لیے پانی اور گوڈی کا، یہ سب بندوبست کرتے ہیں نا، تو نتیجے میں اُس پر جب پھل پڑتا ہے، تو وہ بہت اچھا، بہت رسیلا اور کھانے اور کسی کے سامنے پیش کیے جانے کے قابل ہوتا ہے.

اور ایک چیز یہ ہے کہ جیسے کسی نے آم کی گٹھلی راستے میں پھینک دی، ممکن ہے اُس سے پیڑ پھوٹے یا پھر نہ پھوٹے، پھر فرض کر لیجیے کہ پیڑ پھوٹ پڑا تو اول تو اس پر پھل پڑے گا نہیں کیونکہ اس کو باقاعدگی سے نہ پانی دیا گیا اور نہ نگہداشت کی گئی اور اگر فرض کر لیجیے کہ پڑ بھی جائے تو پھر اس پیڑ کے آم میں جو آپ کی ساخت و پرداخت اور تربیت نے تیار کیا ہے اور اس خودرو پیڑ کے آم میں بڑا فرق ہے اور یہ فرق ہر عقل مند آدمی جانتا ہے. ایسے ہی انسانوں میں بھی فرق پڑ جایا کرتا ہے. جن انسانوں کو انسانوں نے بنایا ہوتا ہے، جن انسانوں کی تربیت کسی انسان نے کی ہوئی ہوتی ہے اُن کا رنگ اور ہوتا ہے، اور جن کی تربیت

(ا) کسی نے نہیں کی ہوتی ——— یا

(۲) جن کی تربیت محض کتابوں کے مطالعے سے ہوئی ہوتی ہے اور اُس تربیت میں کسی انسان کا دخل نہیں ہوتا ــــــ یا

(۳) جن کی تربیت کوئی جماعت کر دیتی ہے اور فرد کا فرد سے رابطہ نہیں ہوتا بلکہ ایک فرد کی تربیت جماعت ہی کے مختلف افراد کرتے ہیں ــــــ تو

یہ تینوں طرح کے افراد ناقص رہ جاتے ہیں، سو، چاہے، سرے سے تربیت ہوئی ہی نہ ہو یا چاہے وہ اپنے ذاتی مطالعے سے خود اپنی تربیت کرتے رہے ہوں اور چاہے وہ تربیت کسی جماعت نے کر دی ہو ان تینوں صورتوں میں آدمی انسان نہیں بن سکتا آدمی ناقص رہتا ہے، فرد کی تربیت جب فرد کرتا ہے اور آدمی کی تربیت جب کوئی انسان کرتا ہے تو تب پتہ چلتا ہے کہ آدمی اور حیوان میں کیا فرق ہے اور انسان بنتے کیسے ہیں.

حضرت رسالت مآب ﷺ ایک ایک فرد کی تربیت فرماتے تھے. اور سنن ترمذی کی حدیث میں آیا ہے، کہ وہ جو اُمیہ بن خلف تھا نا! حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا، جو مکہ مکرمہ میں اُن پر بہت ظلم کرتا تھا اور اسلام کے پھیلنے میں بہت بڑی رکاوٹ تھا اُس اُمیہ بن خلف کے بیٹے تھے صفوان بن اُمیہ بن خلف، یہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں اور غالباً فتح مکہ ہی کے سفر کا واقعہ ہوگا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا قیام مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں تھا جسے معلیٰ کہتے ہیں. تو صفوان ابن اُمیہ نے اپنے ایک بھائی حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ کو (جو والدہ کی طرف سے اُن کے بھائی تھے) تین چیزیں ہدیے اور تحفے میں دے کر بھیجیں کہ یہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے آئیں پہلی چیز تو کچھ دودھ تھا، دوسری چیز ایک ہرنی کا بچہ تھا اور تیسری چیز کچھ کھیرے تھے. اب دیکھیے تربیت کیسے ہوئی. حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ:

"میں یہ تینوں چیزیں لے کر حضرت رسالت مآب ﷺ کے پاس پہنچا اور خیمے میں بلا اجازت داخل ہو کر آپ کے سامنے یہ تینوں چیزیں رکھ دیں، تو آپ نے

مجھے دیکھا اور پھر فرمایا کہ اِس دروازے سے باہر جایئے اور خیمے کے پردے پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے سلام کیجیے اور پھر اُس کے بعد اندر آنے کی اجازت لینے کے لیے یہ پوچھیے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اور اگر میں اجازت دوں تو پھر اندر تشریف لایئے.

حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

میں نے وہ چیزیں اُٹھائیں اور باہر گیا اور کہا السلام علیکم، حضرت رسالت مآب ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا، اُس کے بعد میں نے درخواست کی "أأدخـــل" کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "تشریف لایئے"۔[1]

ایک چیز یہ تھی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ بتا دیتے کہ دیکھو بیٹے ایسے ایسے کرنا ہے اور ایک یہ ہے کہ عملاً ایسے کروایا تو ظاہر ہے کہ جو سبق اِس طرح آپ نے سکھایا تھا، حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ یہ سبق ساری زندگی نہیں بھولے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے، کیسے کسی سے اجازت لیتے ہیں، کیسے کسی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، یہ طریقے ہیں تربیت کے تاکہ آنے والے کو، بیٹھنے والے کو، پتہ چلے کہ کس طریقے سے کسی کے گھر میں داخل ہونا ہے گفتگو کا آغاز کیسے کرنا ہے، بات کیسے کرنی ہے اور کیا کہنا ہے.

بڑی خطرناک بات یہ ہے کہ اس دور میں بہت سے لوگوں کو جب کسی کو برا بھلا کہنا ہوتا ہے. حتیٰ کہ گالیاں بھی دینی ہوتی ہیں تو اپنی اِس واہیات گفتگو کو بڑا خوبصورت عنوان دیں گے مثلاً یہ کہ گفتگو کا آغاز یوں کریں گے کہ صاحب آپ کو پتہ ہے کہ میں تو بالکل صاف بات کرتا ہوں، صاحب آپ کو پتہ ہے

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الاستئذان والآداب، باب ماجاء فی التسلیم قبل الاستئذان، رقم الحدیث: ٦٧١، ص: ٧٥٧.

میں بہت کھرا بولنے والا (Out Spoken) ہوں وغیرہ وغیرہ لیکن کیا اِس قسم کے اچھے الفاظ گالیوں اور بے ادبی کے طریقے اور برائی کی شناعت کو کچھ کم کر دیتے ہیں؟ گالیوں اور بے ادبی کو اِن اچھے الفاظ کا کتنا ہی خوبصورت جامہ پہنا دیا جائے، حقیقت میں اندر تو وہی سیاہی ہے اور وہی گندگی ہے لہجے کی تختی اور چہرے کے تیور اس بھرم کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رہنے دیتے.

اِس لئے شریعت نے ادب سکھایا ہے، احترام سکھایا ہے، انسانیت سکھائی ہے، بتایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات ہمیشہ ادب اور احترام کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں یہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت ابوطالب کے بیٹے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی، یہ کل چار بھائی تھے (1) علی (2) جعفر (3) عقیل (4) طالب. اور چاروں بھائیوں کی عمر میں دس دس سال کا فرق تھا. اس طرح رشتے کے اعتبار سے حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، حضرت رسالت مآب ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے. حبشہ ہجرت کر گئے تھے. اور ہجرت سے جب واپسی ہوئی ہے تو حضرت رسالت مآب ﷺ اُن کے استقبال کے لئے اُٹھے ہیں، اُن کا ماتھا چوما اور آپ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم میرے بھائی جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے.[1]

تو یہ تھا اظہار محبت اور اپنے چچا زاد بھائی کا احترام.

ان سے اتنی محبت تھی کہ جو الفاظ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کی شہادت پر ان کے بیٹوں سے کہے ہیں اِتنے وزنی جملے ہم ناقصوں کے علم میں نہیں ہیں کہ کسی اور کے لئے بھی آپ نے فرمائے ہوں. آپ نے فرمایا تھا کہ جعفر کی اولاد، دنیا اور آخرت دونوں میں، میں اِن کا والی ہوں، میں اِن کا آقا ہوں، میں اِن کا وارث ہوں.[2]

اور یقیناً حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کو قیامت میں اِس فقرے کا نفع پہنچے گا. اِس لئے صاحب! اِس

---

[1] اسد الغابة، باب الجيم والعين المهملة، جعفر بن أبي طالب، ج: ۱، ص: ۵۴۲.

[2] مسند أحمد، حديث عبدالله بن جعفر بن ابي طالب، رقم الحديث: ۱۷۵۰. ج:۳، ص: ۲۷۹.

ادب کو قائم رکھیے، اس احترام کی روایت کی پرورش کیجئے، چھوٹے اور بڑے کی تمیز سیکھیے. دین نے ہی یہ طریقہ سکھایا ہے. ہمیں اسلام نے ہی یہ سمجھایا ہے کہ ہر چیز میں ادب اور احترام ملحوظ خاطر رہے، حتیٰ کہ کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے صحیح حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ:[1]

''تم نے جب جانور کو ذبح کرنا ہو تو تیز چُھری سے ذبح کیا کرو''

ظاہر ہے کہ چھری تیز ہونے کی وجہ سے جانور جلد ذبح ہوگا اور اُس کی جان جلد نکلے گی یہ جانوروں کا ادب ہے اور یہ ادب بھی شریعت نے سکھایا ہے کہ کند چھری، کم تیز چھری سے جانور کو ذبح کرنا جس سے اُسے تکلیف پہنچے یہ جائز نہیں ہے اور یہ کوئی انسانوں کی حرکت تھوڑا ہی ہے انسان تو سراپا سلامتی ہے اس سے تو کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا.

ایک اور ادب ملاحظہ کیجیے. سنن ترمذی میں آتا ہے کہ:

حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا وہ اُلٹا لیٹا ہوا تھا. یہ بری عادت بعض بچوں کو بھی پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنا پیٹ، سینہ، سب اُلٹے کر کے لیٹ جاتے ہیں یعنی سینہ بھی، پیٹ بھی، اور نچلا دھڑ بھی، سب بستر یا زمین کے ساتھ چپک جاتا ہے.

حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اسی طرح الٹے لیٹے ہوئے دیکھا تو انہیں اس طرح لیٹنے سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ طریقہ پسند نہیں ہے.[2]

یہ ادب واحترام اور طریقہ سکھایا کہ سونے کا کیا طریقہ ہے آخر کیوں ہم اپنی زندگی میں، کھانے پینے میں، چال ڈھال میں، ہر عمل میں غیروں کی طرف دیکھتے ہیں اور اپنے گھر کے خزانے یعنی راہِ سنت، شریعت اور انسانیت کی تعلیمات کو بھول جاتے ہیں، ہمیں تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک

---

[1] شعب الایمان للبیهقي بالخامس والسبعون من شعب الایمان وهو باب فی رحم الصغیر و توقیر الکبیر، رقم: ١١٠٧١.

[2] سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی کراهیة الاضطجاع علی البطن، ص: ٧٧٠، رقم الحدیث: ٢٧٦٨.

ایک چیز کا طریقہ، ادب اور احترام سکھایا ہے اور ان کے بعد ہر دور میں اُمت میں سکھانے والے سکھاتے رہے ہیں. اور اب بھی سکھا رہے ہیں.

انسان، زندگی میں جتنے بھی کام کرے، ایسے ہی کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اُن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسے کرے جیسے عقل کا تقاضہ ہے کیونکہ دنیا میں سب سے بڑی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر عقل کی ہے اور اُن تمام کاموں میں ادب اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھے تو پھر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ میں سلامتی اور عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے. ادب اور احترام، سلامتی اور عافیت کے لوازمات میں سے ہے.

جس پروردگار نے پیدا کیا اور اپنی رحمت سے اتنی نعمتیں عطاء کیں جن کا شمار ممکن نہیں، اگر اُس کی توفیق اور رضا شامل ہو اور ایمان پر موت آجائے تو یہ اُس کا اتنا بڑا انعام اور اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ اگر اِس انعام اور نعمت کا وزن کریں تو ترازو کے دوسرے پلڑے میں اِس کے مقابلے میں کیا انعام اور نعمت رکھیں. اسی لئے بہت بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ اور بڑے بڑے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان میں، دین میں، علم میں، ہر چیز میں حصہ دیا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ایک ہزار برس بھی جہنم میں جلنا ہو تو اگر ایمان پر موت آجائے تو وہ ہزار برس بھی ایک چیز ہے کہ کبھی تو یہ عذاب ختم ہوگا اور کبھی تو یہ مشکل کٹے گی، کبھی تو یہ پاپ کٹے گا اور اگر موت حالتِ ایمان میں نہ آئے تو پھر تو عذاب کی کوئی حد ہی نہیں. اس لیے انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ خاتمہ کی دعا مانگتا رہے اور جو کوئی بھی اس دولت کو مانگتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اِس دولت سے نواز بھی دیتے ہیں. سو اللہ تعالیٰ کا ادب اور اللہ تعالیٰ کا احترام یہ بھی اُن کاموں میں سے ہے جو حسنِ خاتمہ میں معاون ثابت ہوتے ہیں اس لیے انسان کو چاہیے کہ اس ادب کو بھی قائم رکھے.

اِسی لئے حضرت عامر الشعبی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اعلیٰ درجے کے محدث تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا علم دیا تھا تابعین میں سے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہ حضرت ام المومنین

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

''جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اِس بات سے بچنا کہ تم دعا میں ردیف اور قافیے ملاتے پھرو''۔[1]

ردیف اور قافیے ملانے کا مطلب یہ ہے کہ دعا میں جان بُوجھ کے ہم وزن الفاظ لانا، ایسی دعا جس میں سجع کیا جائے یعنی قافیہ بندی کی جائے اور تکلف سے ایسے الفاظ لائے جائیں کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کے وزن پر جا پڑے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے حضرت رسالت مآب ﷺ اور اُن کے دوستوں کا زمانہ دیکھا ہے، وہ ایسے نہیں کرتے تھے اِس لئے کہ دعا کا تقاضہ یہ ہے اور اُس کا ادب یہ ہے کہ انسان کے جی میں جو آتا ہے اُسے مناسب الفاظ سے مانگے یہ نہیں ہے کہ جان بُوجھ کے الفاظ تلاش کرتا رہے اور الفاظ بھی وہ تلاش کرے جو شاعری کے درجے کے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کا ادب اِس بات کا متقاضی ہے کہ انسان دعا میں بھی اللہ تعالیٰ کے مقام کو پہچانے اور اپنی بندگی کو۔

دعا مانگنے کے لیے کون سا وقت مناسب ہے؟ اس وقت کو کھوجے اور جس وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو اُن اوقات کی تلاش کرے، اِس سے خدا کا قرب بڑھے گا۔ حضرت عبداللہ اِبن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت طبرانی میں آتی ہے ایک صاحب کہتے ہیں کہ وہ اُن کے مکان کے سامنے سے گزرتے تھے اور اُن کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ دَعَوْتَنِي فَأَجَبْتُ، وأَمَرْتَنِي فَأَطَعْتُ، وَهٰذَا سَحَرٌ فَاغْفِرْلِي.[2]

''اللہ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں نے اُس پہ لبیک کہا اور اے اللہ!
آپ نے مجھے جن کاموں کا حکم دیا اُن میں میں نے آپ کی اطاعت کی اور اے اللہ!

---

[1] کنز العمال، محظور الدعاء، رقم الحديث: ٤٩٣٨. ج:٢، ص: ٦٢٨.

[2] المعجم الكبير للطبراني، من اسمه عبدالله بن مسعود، رقم الحديث: ٨٥٤٨. ج:٩، ص: ١٠٤.

یہ تہجد کا وقت ہے تو مجھے بخش دے"۔

تو یہ آدمی اُن الفاظ سے بڑا متاثر ہوا اور پھر حضرت عبداللہ اِبن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملا. عرض کیا کہ حضرت جن الفاظ سے آپ دعا مانگتے ہیں وہ الفاظ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، مجھے بھی سکھا دیں. تو اُنھوں نے کہا کہ تم یہ دعا اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو اور تہجد کے وقت مانگا کرو اور پھر اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے جب اُن کے بیٹوں نے دعا کے لیے عرض کیا تھا تو اُنھوں نے فرمایا تھا کہ میں صبح کے وقت تمہارے لئے دعا کروں گا مراد اُن کی یہ تھی کہ تہجد کے وقت دعا مانگوں گا. تو یہ وقت کا لحاظ کرنا دعا کا ادب ہے. ادب کی تعریف یہ ہے کہ آپ جس کا ادب کر رہے ہیں اُسے آپ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے. لوگوں کو نفع پہنچانا یہ لوگوں کا ادب ہے، لوگوں کا احترام ہے اور جب کسی کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو یہ اس کی بے ادبی ہے.

انسان اللہ تعالیٰ کو بڑا عزیز ہے اور انسانوں سے اللہ تعالیٰ کو بڑی محبت ہے. ہم، لوگوں کی غلطیاں، لوگوں کے گناہ، لوگوں کے معائب چنتے پھرتے ہیں اور اِس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ اِن میں جو عیب ہے، ممکن ہے کہ وہ اِس گناہ کو کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہو. پھر وہ عیب مجھ میں بھی ہو سکتا ہے اور میں اُس عیب کرنے والے شخص کا مالک نہیں ہوں اور اگر اُس کا مالک قیامت میں اس کا یہ عیب معاف فرمادے، اُسے بخش دے اور مجھے اسی عیب پر پکڑ لے تو پھر میری رسوائی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں.

اِس لیے بغیر ضرورت کے لوگوں کے معائب پر نظر نہ کرے اور بغیر وجہ کے کسی پر تنقید نہ کرے. کتنے ہی لوگ ہیں جو گناہ میں اِس وجہ سے پھنس جاتے ہیں کہ اُنھوں نے اُسی گناہ پر کسی کا مذاق اُڑایا تھا. پھر یہ لوگ مذاق اڑا کر بھول جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اُس مظلوم بندے کا بدلہ اُن ظالموں سے لے لیتا ہے اور پھر انسانوں میں بھی مومن، اُس کی جان، اُس کا مال، اُس کی عزت، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے احترام کا حکم دیا ہے. حضرت عبداللہ اِبن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ:

"حضرت رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں ایک قتل ہوگیا. اور قاتل کا کچھ

پتہ نہیں چل رہا تھا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اِسے کس نے قتل کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں تو آپ نے فرمایا لوگو! ایک آدمی کو قتل کر دیا جائے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور پھر قاتل کا پتہ نہ چلے، پوری دنیا کے لوگ اگر ایک مسلمان کے قتل پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بڑی آسان بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی تعداد کا لحاظ کیے بغیر اور اُن لوگوں سے پوچھے بغیر، اُن سب کو جہنم میں جھونک دے''.[1]

اور ایک روایت میں آتا ہے. کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ:

''مومن کے قتل پہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے رہنے والے، ساری مخلوق بھی اگر جمع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اُس ناحق خون پر ان سب کو جہنم میں ڈال دے تو اُسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے''.[2]

یہ ہے مومن کے خون کی حرمت اور یہ ہے مومن کے خون کی عزت اور یہ اُس خون کی عزت ہے جو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اب پانی سے بھی ارزاں ہو گیا ہے اور اب گلی گلی، کوچہ کوچہ بہہ رہا ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جو خبر دی ہے، سب سچ ہے.

ایک اور قتل، حضرت رسالت مآب ﷺ کے سامنے، ہو گیا تھا اور ہوا یہ تھا کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جہینہ کی طرف بھیجا گیا تھا اور جب وہاں جہاد شروع ہوا تو ایک آدمی اُن میں اِتنا دلیر تھا کہ جب وہ لڑنے کے لئے آتا تھا تو سارے مسلمانوں پہ گویا وہ چھا جاتا تھا. حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور

---

[1] المعجم الکبیر للطبراني، احادیث عبداللّٰہ بن عباس، رقم الحدیث: ۱۲۶۸۱. ج: ۱۲، ص: ۱۰۳.

[2] کنز العمال، کتاب القصاص، الباب الأول في القصاص، الفصل الأول في قصاص النفس، واحکامہ متفرقة، رقم الحدیث: ۳۹۹۵۲. ج: ۱۵، ص: ۳۳.

ایک اور نوجوان نے اُسے گھیر لیا اور دونوں اس پر غالب آ گئے تو اُس آدمی نے کہا "لاالٰہ الا اللّٰہ" تو وہ نوجوان انصاری صحابی رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور حضرت اُسامہ رضی اللہ نے اُسے قتل کر دیا یہ خبر حضرت رسالت مآب ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اُسامہ " لاالٰہ الا اللّٰہ" کے اقرار کے بعد تم نے اُسے جو قتل کیا ہے اُس کا ذمہ دار کون ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ وہ تو یہ کلمہ قتل سے بچنے کے لئے پڑھ رہا تھا.

تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے بار بار اُن سے فرمایا کہ اُسامہ کیا تم نے اُس کا دل چیر کے دیکھ لیا تھا کہ اُس کی نیت کیا تھی اور بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے کہ اُسامہ اب اس خون کے بعد تمہاری ذمہ داری کون لے گا؟ اور اُسامہ اب اس خون کے بعد تمہارا ذمہ دار کون ہے؟ اِس قتل کی ذمہ داری کس پہ ہے؟ اور آپ نے یہ بات اِتنی مرتبہ دہرائی کہ اُسامہ کہتے تھے مجھے آرزو ہوئی کہ کاش جو کچھ اب تک کی عمر گزری ہے وہ کچھ نہ ہوتی اور میں آج اسلام لایا ہوتا، آج اسلام کو قبول کیا ہوتا، پھر میں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو منانے کے لئے یہ عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ میں کچھ عرض کروں، وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی بھی آدمی جو "لاالٰہ الا اللّٰہ" کہے گا میں بالکل اُسے قتل نہیں کروں گا". [1]

اِبن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں اِس بات کے بعد آگے لکھا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

> "اُسامہ میرے بعد (کیا ہوگا) تو میں نے عرض کیا کہ زندگی بھر، حتی کہ آپ کے بعد بھی میں کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو " لاالٰہ الا اللّٰہ" کا اقرار کرتا ہو". [2]

یہ ہے مومن کا خون صاحب! اللہ نے اِس کی عزت برقرار رکھی ہے. مومن کی عزت اُس کا ادب اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللّٰہ تعالیٰ، " ومن احیاھا" رقم الحدیث:٦٨٧٢.

[2] البدایة والنهایةلابن کثیر، سـ٧ھـ سریة عبداللّٰه بن رواحة إلی یسیربن رزام الیهودی، ج:٤، ص:٢٤٠.

احترام بہت بڑی چیز ہے ایک آدمی نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، بار بار حج کے بعد عمرہ اور عمرے کے بعد حج کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے لیکن اِن تمام اعمال کے باوجود یاد رکھیے اگر اُس شخص کی زبان سے، اُس کے تند اور تیز جملوں سے لوگ محفوظ نہیں ہیں اور وہ بغیر کسی وجہ اور سبب کے لوگوں سے تلخ کلامی کرتا ہے، لوگوں کی عزتیں مجروح کرتا ہے تو اُس کے یہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے ہی پیش ہو جائیں گے جیسے آپ اپنے مہمانوں کے سامنے سالن رکھ دیں، ٹھیک پکا ہوا ہو، گوشت گلا ہوا ہو، سب چیزیں اچھی ہوں لیکن اُس سے تری اُتار لی جائے.

انسانوں کی توہین اور بے عزتی کرنے سے اعمال کی رونق ختم ہو جاتی ہے.

یہ شخص اِن نیک اعمال کو کرنے کے باوجود دنیا میں سکون نہیں پا سکتا. زندگی میں بے سکونی کی کیفیت طاری رہتی ہے. آپ دیکھیں گے کہ کتنے ہی لوگ بے اطمینانی اور بے سکونی کی کیفیت میں زندگی گزارتے ہیں اور کہتے ہیں صاحب نماز پڑھتے ہیں تو اطمینان نہیں ہوتا، روزے رکھتے ہیں تو سکون نہیں ملتا آخر ہوا کیا ہے؟ بھائی کچھ بھی نہیں ہوا! آپ نے جو فصل بیجی ہے آخر اُسے کاٹنا بھی تو ہے اور فصل بیجی ہے لوگوں کا دل دکھانے کی اور فصل بیجی ہے لوگوں کو تنگ کرنے کی، فصل بیجی ہے لوگوں پر ظلم کرنے کی، اور فصل بیجی ہے اپنے تکبر کی تو اُس پہ پھل پڑا ہے دل کی بے سکونی کا، بے چینی کا اور عدمِ اطمینان کا اور اب یہ پھل چکھنے پڑیں گے.

اسی لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت رسالت مآب ﷺ نے جو چیزیں خاص طور پر سمجھا دی تھیں اُن میں سے ایک یہ تھا کہ کسی بھی انسان کو بُری نگاہ سے نہیں دیکھنا انسانوں کی عزت برقرار رکھنی ہے اِس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں اور بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اُن کے ماتحت ہیں، وہ لوگ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں، مدینہ منورہ میں جو باغی آ گئے ہیں ہم اُن سے نمٹ لیتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ اونچی آواز میں فرمایا: کہ

آپ اُن سے نمٹ لیتے ہیں، یہ ٹھیک ہے لیکن دیکھیے ،لڑائی، میں نہیں چاہتا،لیکن دیکھیے ،لوگوں کا خون، میں نہیں چاہتا، سب چاہتے تھے کہ امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس بغاوت کو ختم کیا جائے اور باغیوں کو سمجھانے کو باوجود جب وہ نہیں سمجھتے تو اب اُن کا فیصلہ کر دیا جائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے منع کر دیا کہ کہیں کوئی ناحق خون نہ بہہ جائے اور کہیں مدینہ منورہ کے احترام میں فرق نہ آجائے.

ایک اور حدیث میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک دن فرمایا:

> ''میرے پاس کسی کو بلاؤ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں تو میں نے عرض کیا اپنے والد، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلاؤں تو آپ نے فرمایا نہیں. میں نے پھر عرض کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلالوں. تو آپ نے فرمایا نہیں میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤں تو آپ نے فرمایا کہ نہیں. میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلالوں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں انہیں بلالیں. پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ ذرا یہاں سے ہٹ جائیں اور پھر آپ اُن سے باتیں کرتے جاتے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک رنگ جارہا تھا، ایک آرہا تھا اور ایک جارہا تھا''.[1]

پھر جس دن امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ ان باغیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت کیوں نہیں دیتے ؟ تو آپ نے فرمایا: کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا اور میں اُس پر صبر کرنے والا ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ وہ جو اُس دن حضرت رسالت مآب ﷺ نے اِنہیں بلا کر کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ شاید انہی

---

[1] مسندا حمد ، مسند الصديقة عائشة رضي الله عنها ، رقم الحديث: ٢٤٥٣ . ج: ٤٠ ، ص: ٢٩٧ .

دنوں کے متعلق تھا.

خلیفۂ راشد و مظلوم امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے لیکن جو لوگ اُن کے خلاف اُٹھے تھے آپ نے اُن کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے. اور مدینہ منورہ کے احترام میں کچھ فرق نہیں آنے دیا اِس لیے ہر انسان کا خون عزت کی چیز ہے، اور مقدس اور پاک جگہوں کا احترام بھی ضروری ہے.

محمد اِبن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ:

"حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک تلوار اپنے پاس سے مجھے عنایت فرمائی، تحفے میں دی اور مجھ سے کہا کہ اللہ کے راستے میں اِس سے جہاد کرنا لیکن کہیں دیکھو کہ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں تو پھر اِس تلوار کو پتھر پر اِتنے زور سے مارنا کہ یہ ٹوٹ جائے، اپنا ہاتھ روک لینا، اپنی زبان کو بند کر لینا، یہاں تک کہ تمہاری لکھی ہوئی موت تمہیں آجائے یا تمہیں کوئی شہید کر دے". [1]

اور طبقات ابن سعد میں یہ روایت آتی ہے کہ:

"حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پہ محمد اِبن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلے اور یہی تلوار اُنہوں نے پتھر پر رکھی اور اوپر سے دوسرا پتھر اس پر زور سے مارا اور اسے توڑ دیا! اور کہا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے مجھے ایسے ہی کرنے کا حکم دیا تھا". [2]

لوگوں کا خون بہانے پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے؟ بے جا حرص اور وہ تمنائیں جو غیر محدود ہیں، غصہ، جو بے قابو ہے، صاحب انسان ایسے انسان نہیں بنتا بڑی محنت کے بعد یہ ہیرا چمکتا ہے اور اگر اِس ہیرے کی

---

[1] كنز العمال، كتاب الفتن، فتن الصحابة رضى الله عنهم، رقم الحديث :٣١٧٢٣ ج: ١١، ص:٢١٣.

[2] المعجم الصغير للطبرانی ، من اسمه يحي، ج: ٢، ص:١٤٢.

تراش خراش نہیں ہوگی تو یہ پتھروں کی طرح ہو جائے گا.غصہ آنا ایک فطری بات ہے کچھ غلط نہیں لیکن غصے پر قابو پالینا اور اس کے تقاضے، اور اس وقت طبیعت کے کہے پر عمل نہ کرنا یہ اصل کمال ہے کوئی انسان تمام عمر ایک (بھی) نفل نماز نہ پڑھے اور ساری زندگی ایک پائی کا نفلی صدقہ نہ دے. تو اُس نے اپنا کچھ گم نہیں کیا اور اگر وہ ایک مرتبہ بھی غصے میں ناجائز بولا تو اپنا سب کچھ برباد کر دیا.کوئی انسان آج سے غصے پر قابو پانا شروع کرے اور دس سال بعد بھی اپنے غصے پر حقیقی معنیٰ میں وہ قابو پالے تو کچھیے بہت کچھ کمایا، بہت کچھ حاصل کیا.

دین کی جو تصویر اور دین کی جو ظاہری ہیئت اور صورت ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے یا ہم لوگ پیش کرتے ہیں وہ یہی ہے تا کہ نماز پڑھ لیں.اذان شروع ہوئی اور دکان کے شٹر گر گئے لوگوں نے دیکھ لیا کہ نماز بڑے خشوع اور خضوع سے پڑھی پھر رمضان آ گیا،عمرہ کے لئے چلئے گئے پھر حج کر لیا الغرض وہ ساری نیکیاں جنہیں دیکھ کر لوگ کسی شخص کو نیک تصور کرتے ہیں ایک آدمی وہ نیکیاں کرتا ہے یہ بہت اچھی بات ہے،لیکن کیا اس کا باطن بھی اتنا ہی نیک ہے، جتنا کہ اس کا ظاہر نیک ہے اِس کا پتہ تو اُس وقت چلتا ہے کہ جب اُس کو غصہ دلانے اور بھڑکانے والی کوئی بات اُس کے سامنے آئے اور اس کے باوجود یہ اپنے پہ قابو پالے.اپنے غصے کو نافذ نہ کرے اور نہ بھڑک اُٹھے.یہ ہے اُس کا اصل امتحان اِس سے پتہ چلے گا کہ اُس کا باطن کتنا نیک ہے.

”دین نام ہے آدمی سے انسان بننے کا“

دین، ہماری خواہشات اور ہمارے جذبات پورے کرنے کا نام نہیں ہے.دین تو نام ہے انسان بننے کا اور انسان بنتا ہے جب وہ اپنی اخلاقیات کو انسانیت کے اعلیٰ درجے تک پہنچائے.حضرت رسالت مآب ﷺ کے سامنے ایک آدمی آیا اور اس پر کپکپی طاری ہوگئی.یہ ہے مقام نبوت کہ بعض مرتبہ لوگ اِس کی تاب نہیں لا سکتے تھے.کوئی دنیا کا حکمران ہوتا تو اُسے کیسی خوشی ہوتی کہ میرا رعب، دبدبہ، طاقت اور غلبہ اتنا زیادہ ہے کہ لوگ میرے سامنے کھڑے ہونے سے کانپتے ہیں،مگر یہاں نبوت تھی.

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُسے قریب بٹھایا اور فرمایا اپنی جان پر رحم کرو، یعنی گھبراؤ نہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں، اُس غریب ماں کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں تازہ گوشت نہیں خرید سکتی تھیں (کیونکہ وہ تازہ ہونے کی وجہ سے مہنگا ملتا تھا) اور جو خشک گوشت بازار میں (سستا) بکتا تھا، ہم لوگ (غربت کی وجہ سے) وہ گوشت کھایا کرتے تھے۔[1]

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُس انسان کو کھل جانے کا موقع دیا تا کہ وہ آپ کے سامنے بات کر سکیں. اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم کسی بھی عہدے پر فائز ہوں یا دنیاوی اعتبار سے ہمیں کتنا ہی غلبہ اور طاقت حاصل ہو، ہم اپنے سے (بظاہر) جو چھوٹے ہیں. (حقیقی چھوٹا اور بڑا ہونا تو اللہ ہی جانتا ہے، وہ قیامت میں کھلے گا مگر بظاہر دنیا کے اعتبار سے جو چھوٹے ہیں) انہیں اس بات کا پورا موقع فراہم کریں کہ وہ ہمارے سامنے اپنی ضرورت، اپنی حاجت، اپنی بات، یہ سب بیان کر سکیں.

جو رعب اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو نصیب کیا ہوا ہوتا ہے اُس میں کوئی کمی نہیں کر سکتا. جو عزت اللہ تعالیٰ دیتے ہیں وہ عزت بے داغ ہوتی ہے اور جو رعب انسان اپنے کبر کی وجہ سے خود جمانے کی کوشش کرتا ہے، وہ رعب ایک نہ ایک دن ذلت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ رسوائی اُس متکبر اور متجبر انسان کو اُٹھانی پڑتی ہے کہ جو اپنے تئیں اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا. مٹی میں جا ملتا ہے اِس لئے لوگوں کی توہین سے بچے، لوگوں پر حقارت کی نظر ڈالنے سے اور لوگوں کے معائب بیان کرنے سے ہزار بار اجتناب کرے، اور اِس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنے آپ پر اچھی نظر ڈالنے سے بچے. خود پسندی اور خود رائی انسانی شخصیت کی آکاس بیل ہے. کیا اِس سے بدترین نظر بھی کوئی ہو سکتی ہے جو انسان اپنے اوپر ڈالے کہ میں اچھا ہوں، میں نیک ہوں، میں پاک ہوں، میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں.

لوگ غیر محرم کو دیکھنے کی نظر کو بدترین سمجھتے ہیں لیکن اہلِ نظر کبر کی نظر کو بدترین سمجھتے ہیں کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ غیر محرم کو بری نظر سے دیکھنا گناہ ہے اور پھر اُس گناہ سے توبہ بھی کر لیتے ہیں. کتنی ہی نیکیاں ہیں

---

[1] سنن ابن ماجة، كتاب الاطعمة، باب القديد، رقم الحديث: ٣٣١٢. ج:٤، ص: ٣٣.

جو اس گناہ کو دھو دیتی ہیں لیکن اپنے کو اچھی نظر سے دیکھنا اِسے کوئی گناہ نہیں جانتا اس لیے توبہ بھی نہیں کرتا اور کوئی نیکی ایسی نہیں ہے جو اس گناہ کو دھو دے یہ گناہ تو تربیت سے دور ہوتا ہے اور تربیت کرانے کی فکر نہیں ہے اِس لیے ہر نگاہ پر کبر اور بڑھ جاتا ہے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی بڑھ جاتی ہے

انسان کچھ بھی نہیں ہے ہر وقت، ہر لحہ اور ہر آن، ہر مقام اور ہر منصب پر اپنی نفی اور ذاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کرتا رہے. جب کلمہ طیبہ پڑھے تو لا الہ پڑھتے وقت ہر چیز کی نفی کرے، دنیا کی ہر اُس چیز کی نفی کرے، جس کی وقعت دنیوی اعتبار سے پڑھنے والے کے دل میں ہے عزت کی نفی کرے، حکومت اور حکومت والوں کی نفی کرے، مال، دولت اور وجاہت کی نفی کرے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں کی نفی کرے اور پھر الا اللہ پڑھ کے اللہ تعالیٰ کا اثبات کرے پہلا مرحلہ تو یہ ہے اس کی مشق کرے اور کسی ایسے شخص کی نگرانی میں یہ مشق کرے جس کا عقیدہ درست ہو، علم پختہ ہو، عمل سنت کے مطابق ہو اور اُس کے باطن کی نسبت اہل اللہ سے جڑی ہوئی ہو پھر جب یہ مشق اس انسان کا حال بن جائے تو باری تعالیٰ کی رحمت کا بھکاری بن کر مانگے کہ مجھے انسان بنادیں، میرا تزکیہ کردیں، مجھے پاک کردیں. اب اگر اللہ تعالیٰ اپنی فضل و رحمت سے اِس کا تزکیہ کردیں تو یہ اس پاک ذات کا بہت بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو

مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا. وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ.	تم میں سے کوئی آدمی کبھی بھی پاک نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ کی ذات جسے چاہے پاک کرتی ہے.

(پ:۱۸، س: النور، آیت:۲۱)

اور وہ ذات، جسے چاہے پاک کردیتی ہے. اور تزکیہ ہو جاتا ہے ورنہ انسان تزکیے کو دھوکے میں کبھی کبھی ایسے چکر میں پھنس جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نیک سمجھ رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اُس کی کوئی وقعت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی.

•••••••••••••••••••••••

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد اڑ کر پڑے رہرو کے دامن پر

اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو مربی کے مقام پر فائز فرمایا تھا اور آپ نے اپنے اس مقام کی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تربیت کی اور انہیں ایسا شاندار انسان بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیا سے جانے سے پہلے ہی اُنہیں اپنی رضا اور خوشخبری کی بشارت نازل فرما دی. آپ نے اُنہیں تربیت کے جوہر یعنی ادب سے روشناس کرایا اور زندگی کے ہر ہر شعبے میں تمیز اور ادب کے دائروں کی نشاندہی کر کے یہ بتلا دیا کہ ان دوائر کے اندر رہنا ہی انسانیت اور شرافت ہے اور اِن کو عبور کرنا دائرہ انسانیت سے خارج ہونا ہے.

اُن کی رسالت کا ایک شاہکار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے. اپنی وفات سے پہلے آپ نے جو آخری لشکر روانہ کیا اور جس کے لیے آپ نے آخری مرتبہ جھنڈا باندھا اس کا امیر حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپ ہی نے مقرر فرمایا تھا. حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بہت کم سن تھے اور ان کی قیادت میں جہاد کرنے کے لیے جو مجاہد اس لشکر میں شامل تھے اُن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے . ان دونوں حضرات کی عمر میں اتنا بڑا فرق تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے انتقال کے وقت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ (18) برس تھی. اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً پچاس (50) برس تھی گویا کہ بتیس (32) سال کا فرق تھا.

حضرت رسالت مآب ﷺ کی طبیعت پہلے سے زیادہ کمزور ہو گئی اور لشکر آپ کی عیادت کے لیے

واپس ہوا تا آنکہ آپ کی وفات ہوگئی. حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے اور انہوں نے اس لشکر کو روانہ کر دیا. امیر یعنی حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بس اتنی درخواست کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رخصت دے کر مدینہ طیبہ ہی میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی جائے. امیر لشکر بخوشی اس پر راضی ہوگئے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ادب اتنا غالب تھا کہ پھر عمر بھر جب بھی وہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو بجائے صاف سلام کرنے کے کہتے:[1]

السلام عليك أيها الأمير ورحمة الله عليك توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنت علي أمير.	امیر لشکر السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے انتقال سے پہلے میرا، امیر آپ کو مقرر فرمایا تھا.

حضرت اُسامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی عمروں میں بتیس[32] برس کا فرق تھا. اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسامہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ہم عمر تھے لیکن پھر بھی ہمیشہ ان کا اتنا ادب اور احترام کیوں رہا؟

کیا اس لیے کہ وہ ان کے امیر تھے اور مامور کو چاہیے کہ وہ اپنے امیر کا ادب کرے یا اس لیے ان کا عہدہ بڑا (امارت) تھا اور یہ ایک بڑے عہدے کا احترام تھا، نہیں یہ ادب اِس لیے تھا کہ جس ہستی نے اُنہیں امیر بنایا تھا یہ اُن کے حکم کا ادب تھا. ہر لحہ اس ہستی کا ادب اور ان کے فرمان کا احترام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طاری تھا. یا دونوں باتیں جمع ہوگئی تھیں. قانون کا احترام، اپنے امیر کا ادب خواہ وہ عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی محبت، ان کی یاد اور ان کا حکم اس ادب کا محرک تھا.

پھر یہ ایک واقعہ ہی نہیں، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تربیت ہی ایسے کی گئی تھی کہ احترامِ انسانیت ان کی فطرت ثانیہ تھی.

---

[1] الفوائد الغراء، ج: ۳، ص: ۹۲.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احترام تو اُنہیں کرنا ہی چاہیے تھا کہ وہ ان سے بلاشبہ افضل بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت کے سب سے افضل فرد تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے احترام میں بھی کچھ کسر نہیں اٹھا رکھی. کہاں بلال رضی اللہ عنہ کہ اپنی ذات میں اگرچہ اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیے جاتے ہیں مگر افضلیت میں امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا پلڑا ہر طرح سے بھاری ہے. مراتب کے اس فرق کے باوجود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:[1]

ابو بکر سیدنا اعتق بلالاً سیدنا.　　　ہمارے آقا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے دوسرے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا تھا.

کس ادب واحترام سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں اور اُنہیں اپنا دوسرا آقا ارشاد فرماتے ہیں. یہ ہے باہمی احترام اور مرتبہ شناسی.

جب تک حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُنہیں اللہ تعالیٰ سے مانگا نہیں تھا، وہ اس وقت تک مکہ مکرمہ کے ظالم اور جابر سرداروں میں سے ایک سردار تھے. ہمت اور شجاعت کا ظالمانہ رُخ اختیار کرنے والا یہ واحد شخص تھا جو ارادۂ قتل سے دن کی روشنی میں تلوار لے کر چل پڑا تھا. باقی تمام ظالم اور جابر کبھی بھی یہ جرأت نہ کر سکے تھے حتیٰ کہ ہجرت سے قبل تک ان کی جرأت نہ تھی کہ قتل کے لیے گھر سے نکل آتے. کہاں اکیلا عمر یہ کام کرنے چلا تھا اور کہاں سارے مکہ کے ظالم جمع ہوئے، مشورہ ہوا، ہر ایک ظالم نے ناحق خون بہانے کا عہد کیا اور پھر رات کی تاریکی میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا. ان ظالموں کو ظلم کرنے کے لیے بھی جو جرأت درکار تھی وہ فریب آمیز تھی اور کہاں عمر جس بات کو حق سمجھتا تھا، تنِ تنہا اس ناپاک ارادے کی تکمیل کے لیے چل پڑا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا.

اس لیے ان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ ظلم کیا ہوتا ہے، وہ مشرکانہ جبر کے نظام کا ستون رہ چکے تھے، لیکن اب اُن کے لیے کسی کے ہاتھ اُٹھ چکے تھے. اب وہ مظلومین کی پناہ گاہ تھے. ضعفاء کا سہارا تھے. ظالم کی

---

[1] سیر أعلام النبلاء، بلال ابن رباح، رقم: ۷۶، ج: ۱، ص: ۳۴۹.

کلائی موڑ کر مظلوم کا حق، دلانا جانتے تھے جب کایا پلٹ ہوئی تو اُن مظلومین پر جو ظلم ہو چکے تھے اُن کی دادرسی میں مصروف رہے. بلال، عمار بن یاسر اور صہیب کے خون سے مکہ مکرمہ میں ظالموں نے ہولی کھیلی تھی ان کی عزتیں تاراج کی گئی تھیں اور ان کے حقوق پامال کیے گئے تھے جبکہ یہ اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں برت رہے تھے.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مظلومین کو کس نگاہ سے دیکھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اتنا احترام تھا کہ فرمایا:[1]

وھذا بلال سیدنا حسنة من حسناته.	اور انہیں دیکھو! یہ ہمارے آقا بلال ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے صرف ایک نیکی تو یہ ہیں.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منقبت اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیادت کا احترام اور اعتراف.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور وجہ تقرری میں فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں عمار پر بہت ظلم ہوئے ہیں اور میں نے چاہا کہ مظلوموں کو حکومت ملے.

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا یہ ادب کیا کہ وفات سے چند دن قبل شدید زخمی ہونے کے باوجود فرمایا کہ جب تک شوریٰ اپنا خلیفہ منتخب نہ کرے، ان کے بجائے مسجد نبوی میں ان کے مصلے پر نماز حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہی پڑھائیں گے.[2]

حتی کہ وصیت فرمائی کہ ان کا جنازہ بھی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پڑھائیں اور پھر یہی ہوا اس لیے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر چھوٹے، بڑے، غنی، فقیر، اپنے، پرائے سب کا احترام غالب رہا

---

[1] سیر أعلام النبلاء، بلال ابن رباح، رقم: ٧٦، ج: ١، ص: ٣٥٩.

[2] وأوصي إليه عمر بالصلاة بجماعة المسلمين حتى يتفق أهل الشوري، استخلفه على ذلك ثلاثا. (الاستيعاب، باب حرف الصاد، رقم: ١٢٣١، ج: ٢، ص: ٢٨٦).

اور وہ سب کے حقوق ادا کرتے رہے.

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے حاضر ہوئے. حضرت رسالت مآب ﷺ پر ضعف اتنا غالب آچکا تھا کہ گفتگو کرنی دشوار تھی لیکن آپ چاہتے تھے کہ اُسامہ کے لیے دعا مانگی جائے تو اپنے دونوں ہاتھ اُن پر رکھ کر پھر دعا کے لیے اُٹھائے تو اُسامہ کہتے ہیں:[1]

فأعرف أنه يدعولي. — میں یہ سمجھ گیا کہ میرے لیے دعا مانگ رہے ہیں.

غالبًا یہ آخری شخص تھے جن کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہاتھ اُٹھائے تھے.

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ وہ جوان اور بہادر لڑکے جن سے حضرت رسالت مآب ﷺ کو بہت تعلق خاطر ہے اُن میں سے ایک حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں.

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ عادلہ کے آخری دور میں ہوا اور اُن کے انتقال کے بعد رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اِس جنازے میں شریک تھے فرمایا:[2]

عجّلوا بحِبّ رسول الله قبل أن تطلع الشمس. — حضرت رسالت مآب ﷺ کے محبوب کو سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی دفن کردو.

جنازے میں تاخیر شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے اس لیے بہت جلد اِس کام کو نمٹانے کا، ارشاد فرمایا لیکن حضرت اُسامہ سے حضرت رسالت مآب ﷺ کی محبت کا اعلان آخر تک ہوتا رہا حتی کہ جنازے میں بھی اس محبت کا اعلان سن کر اُن کی روح کیسے مچلی ہوگی کہ نسبت اور وہ بھی محبت کی نسبت تادم آخر برقرار رہی.

یہ اعلان تو بعد میں ہوا، اُسامہ کی روح تو حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہاں پہلے ہی حاضر ہوگئی ہوگی

---

[1] سیر أعلام النبلاء ،اسامة بن زید ، رقم:١٠٤، ج:٢، ص:٥٠٣.

[2] سیر أعلام النبلاء ،اسامة بن زید ، رقم:١٠٤، ج:٢، ص:٥٠٧.

کیونکہ جتنی محبت اُسامہ کو اُن سے تھی، اس سے زیادہ محبت تو اُنہیں اُسامہ سے تھی، کشش ادھر سے زیادہ تھی اس لیے اب تقریباً پچاس 50 برس کے بعد اپنے محبوب اور خادم اور خادم زادے اُسامہ بن زید کو دیکھ کر کیسے خوش ہوئے ہوں گے. اُسامہ زبان حال سے کہتے ہوں گے:

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں ، نامہ بر ، سے ، ہم آگے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفۂ وقت ہوئے اور حکومتی تنخواہیں اور وظائف مقرر کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا تو اُنہیں یہ محبت اور اُس کا احترام برابر یاد رہا. اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تنخواہ تین ہزار 3000 مقرر ہوئی اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی پانچ سو زیادہ یعنی ساڑھے تین ہزار 3500. باادب وسعادتمند بیٹے نے اس فرق کو جاننا چاہا تو امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:[1]

لأن أباه كان أحب إلى رسول الله من أبيك، وهو أحب إلى رسول الله ﷺ منك، فآثرت حِب رسول الله على حِبي.

بیٹے! حضرت رسالت مآب ﷺ کو تمہارے والد (عمر) سے زیادہ اُسامہ کے والد (زید) سے محبت تھی اور آپ سے زیادہ وہ اُسامہ سے محبت کرتے تھے. اس لیے میں نے اپنی محبت (اپنے بیٹے عبداللہ) پر حضرت رسالت مآب ﷺ کی محبت (اُسامہ) کو ترجیح دی ہے (اور اسی لیے ان کی تنخواہ پانچ سو زیادہ ہے).

یہ عالم تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادب کا کہ ہر مقام پر حضرت رسالت مآب ﷺ کا خیال ہے کہ وہ کس بات کو ترجیح دیتے تھے! ان کی پسند کیا تھی اور اُنہیں کس سے زیادہ محبت (غالب) تھی. یہاں تک کہ یہ تو وہ افراد تھے. جہاں، حضرت رسالت مآب ﷺ کا کوئی خونی رشتہ نہیں بنتا تھا، لیکن جہاں

---

[1] سیر أعلام النبلاء، اسامة بن زید، رقم:۱۰٤، ج:۲، ص:٤۹۹.

خونی رشتے بنتے تھے اور جو اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم تھے، اُن کے ادب و احترام اور محبت و شفقت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی کسر روا نہیں رکھی تھی۔ اپنے بیٹے اور اس درجے کے افراد کے لیے تین ہزار تنخواہ مقرر ہوئی، حضرت اُسامہ کے لیے ساڑھے تین ہزار اور بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے پانچ ہزار مقرر فرمادی۔

سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی بدری تھے ان کے لیے تو پانچ ہزار مقرر ہوئی ہی تھی حکم فرمایا کہ ان کے دونوں بیٹوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے لیے بھی پانچ، پانچ ہزار 5000 مقرر کیے جائیں۔[1] کیوں؟ اس لیے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے نواسے تھے اس رشتے کا ادب اور احترام ضروری تھا اس لیے ادب اور نیاز مندی کا اظہار اسی صورت میں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے قوانین دو طرح کے ہیں ایک تو شریعت کے قوانین جن کے مطابق اہل ایمان کو اپنی زندگی گذارنے کا حکم ہے، جیسے عقائد، عبادات، معاملات، معیشت وغیرہ اور دوسرے تکوینی قوانین جیسے پیدائش، زندگی، موت، عزت، ذلت، اقتدار کا ملنا اور چھننا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون برابر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ کچھ بچوں کو دنیا میں بھیج دیتا ہے، اور کچھ روحوں کو واپس بلالیتا ہے، کچھ لوگوں کو اقتدار کی آزمائش میں ڈالتا ہے اور کچھ کو اس امتحان سے بچالیتا ہے اور انہی تکوینی قوانین کے تحت پانی ہمیشہ نشیب میں بہتا ہے۔ ہر رات کی صبح اور ہر شام کی سحر ہوتی ہے۔ جو ظلم کرتا ہے اس کی سزا پاتا ہے اور جو ادب کرتا ہے اس کا ادب کیا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ جب ہر ہر مقام پر ادب سے پیش آتے رہے تو یہ ضرور تھا کہ ان کا بھی ادب ہوتا۔ وہ احترام کرتے رہے تو تکوینیات کے سلسلے میں اُنہیں اس احترام کی جزاء احترام کی صورت میں ملنی ہی چاہیے تھی۔

---

[1] ألحق الحسن والحسين بفريضة أبيهما، لقرابتهما من رسول الله ﷺ، فرض لكل منهما خمسة آلاف درهم. (سير أعلام النبلاء، الحسن بن علی بن أبي طالب، رقم: ٤٧، ج: ٣، ص: ٢٥٩).

ان کی وفات کے دن سے جو احترام شروع ہوا ہے تو اب تک مسلسل جاری ہے. اس سے زیادہ احترام ان کا کیا ہوتا کہ اُنہیں اپنے محبوب دوست، خلیفہٴ اول اور اپنے مخدوم ومحب گرامی قدر حضرت رسالت مآب ﷺ کے پہلو میں جگہ ملی اور اب تک مقبولانِ بارگاہِ الٰہیہ میں ہمیشہ ان کا ذکر خیر ہی بلند ہوتا ہے. عدل میں دورِ فاروقی قیامت تک ضرب المثل ٹھہرا اور احتساب غیر وخویش میں اب تک وہیں سے استدلال کیا جاتا ہے. ان کے احترام کی ایک مثال وہ بھی ہے کہ امیر المؤمنین خلیفہٴ رابع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خطبہ ارشاد فرمایا اور سامعین سے سوال کیا.

من خير هذه الأمة بعد نبيها؟

آپ لوگ یہ بتائیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے اچھا شخص کون ہے.

وھب السُوَائی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا آپ سب سے بہتر ہیں. آپ نے فرمایا:[1]

لا، خير هذه الامة بعدنبيها ابوبكر، ثم عمر، وما نبعد أن السكينة تنطق علي لسان عمر.

ایسے نہیں ہے. حضرت رسالت مآب ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے بہتر شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر اُن کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سب سے بہتر انسان تھے اور ہم تو یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص قسم کی رحمت (السكينة) کے ساتھ ان کی زبان سے فیصلے صادر ہوتے ہیں.

یہ اس ادب اور احترام کا اعتراف اور الفاظ ہیں جن کے ذریعے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اُنہیں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کیسے نہ بولتی اور اُن کے ساتھ رحمت حق کی

---

[1] مسند الامام احمد بن حنبل، مسند علي بن أبي طالب، رقم الحديث: ٨٣٤ . ج:٢، ص: ٢٠٠.

معیت کیسے نہ ہوتی کہ حق تو اُن کے دل میں ڈالا جاتا تھا اور مستقبل کی سچائیاں اُن کے دل کے آئینے میں حال تھیں. اُنہیں صداقت کا الہام ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے اُن کی زبان کے ذریعے لوگوں کو سنائے اور بتائے جاتے تھے.

امام عامر الشعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس گرامی نامے کے الفاظ کا تذکرہ ہوا جو انہوں نے ایران پر حملے سے قبل، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمائے تھے. فقرہ یہ تھا:

''میرے جی میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ آپ جب اپنے دشمنوں پر حملہ کریں گے تو انہیں شکست دیں گے''. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پیشن گوئی کیسے کردی تھی؟ بھئی! ہم تو پہلے ہی سے اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت عمر کی زبان سے بولتی ہے اور قرآن کریم میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جو رائے تھی، اُسی طرح وہ آیات نازل ہوئی ہیں.[1]

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہ اصابت رائے، توافق بالقرآن الحکیم اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا اُن کے ساتھ ہونا یہ تمام انعامات تھے جو اس ادب اور احترام کے رویے کے اثرات تھے. جو ادب اور احترام انہوں نے ہمیشہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے بارے میں روا رکھا تھا. اسلام کے ابتدائی دور میں قریش کے مظالم نے حدوں کو چھولیا. حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے حبشہ ہجرت کر گئے اور جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسی عبقری شخصیات

---

[1] ثلاث رسائل في موافقات عمر بن الخطاب رضي الله عنه، كتاب نزهة ذوي الالباب فيما وافق به ربه عمر بن الخطاب رضي الله عنه وارضاه، للشيخ ابو عبدالله محمد بن الشيخ برهان الدين المقدسي، رقم: ۱۰، ص: ۸۹.

مسلمان ہوگئیں تو قریش زچ ہو کر رہ گئے. انہوں نے تمام قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بنو ہاشم سے مطالبہ کیا کہ محمد (صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو قتل کرنے کے لیے یا تو از خود ہمارے حوالے کر دو اور یا پھر ہم سب مل کر تمہارا مقطاعہ (Biacot) کر دیں گے. تمہیں ایک مقام پر قید کر دیا جائے گا اور ایسا سوشل بائیکاٹ ہوگا کہ کھانے پینے تک کی کوئی چیز اس شہر (مکہ مکرمہ) میں نہ تو تم خرید سکو گے اور نہ ہم بیچیں گے.

بنو ہاشم نے قریش کے اِس مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا اور سات نبوی میں ایک معاہدہ ۔جس پر تمام قبائل نے دستخط کیے تھے ۔ تحریر کر کے در کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا.

معاہدے کا خلاصہ یہ تھا کہ بنو ہاشم جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کے لیے ان تمام قبائل کے حوالے نہیں کرتے، یہ تمام قبائل بنو ہاشم سے مکمل قطع تعلق رکھیں گے. قبل اس کے کہ کسی لڑائی یا خون کی نوبت آتی بنو ہاشم اپنی آبائی زمین " شَعْبِ اَبِیْ طَالِبْ " میں چلے گئے. اور دیگر قبائل کے جو بھی حضرات اسلام قبول کر چکے تھے ان کا بھی محاصرہ ہوا اور انہوں نے بھی " شَعْبِ اَبِیْ طَالِبْ " میں پناہ لے لی.

تین برس تک یہ محاصرہ جاری رہا. ہاشمی بچے دودھ اور کھانے کو بلکتے، روتے اور اُن کی آوازیں سن کر باہر بیٹھے ہوئے قریش کے ظالم ہنستے. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہمارا حال یہ تھا درختوں کے پتے توڑ کر کھاتے اور ایک مرتبہ تو رات کو بھوک نے ستایا، کھانے کو کچھ تھا نہیں لیکن ایک سوکھے ہوئے چمڑے کا ٹکڑا ہاتھ آیا. اُسے دھو کر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھا لیا.

تین برس تک اس ظلم کی چکی چلی اور مظلومین خوب پسے. یہ ظالم بھی آخر انسان تو تھے ہی. اب انہیں ترس آنا شروع ہوا اور ایک دن مطعم بن عدی اپنے دوستوں، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود اور سہل بن بیضاء کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوا اور اس معاہدے کو اُتار کر دونوں ہاتھوں سے چاک کر کے پھینک دیا، ابو جہل اور مختلف لوگ چلائے لیکن یہ چاک کرنے والے گویا کہ مکہ مکرمہ کے جگر کے ٹکڑے اور قبائل کے عمائدین تھے، انہیں کون روک سکتا تھا.

مطعم بن عدی، ابوالبختری، زہیر وغیرہ نے ہتھیار اٹھالیے اور انہی ہتھیاروں کے سائے میں بنو ہاشم اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو "شَعْبِ اَبِیْ طَالِبْ" سے باہر نکال لائے. معاہدہ چاک ہوا اور پابندیاں، لگانے والوں نے خود ہی یہ پابندیاں ختم کردیں. وقت گذر گیا اور جب غزوۂ بدر کے لیے کفار مکہ نے نفیر عام دی تو سب چل پڑے. البتہ کچھ لوگ ایسے تھے، جو اس لڑائی میں جانا بالکل پسند نہیں کرتے تھے لیکن لگے مارے مجبور کر کے لائے گئے تھے.

ان حضرات میں سے ایک صاحب — جن کا نام مندرجہ بالا سطور میں ابھی آپ نے پڑھا ہے — سہل بن بیضاء بھی تھے. وہ مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر اِس کا اظہار کرنا مناسب نہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اُنہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور پھر وہی ان کے اسلام کے گواہ تھے.

رن میں معرکہ پڑا کفار مکہ کو شکست ہوئی اور جب اُن کے قیدی سامنے لائے گئے تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے مختلف حضرات سے مشورہ لیا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے اور آخر کار آپ نے قیدیوں کے سامنے اعلان کیا کہ:[1]

أنتم عالة، فلا ينفلتن منهم أحد إلا بفداء، أو ضربة عنق.	آج آپ لوگوں کے پاس کچھ مال نہیں ہے لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ آپ کچھ رقم منگوا کر فدیہ ادا کریں تو آپ کو رہائی مل جائے گی ورنہ قتل کردیا جائے گا.

جو قیدی یہ اعلان سن رہے تھے ان میں سہل بن بیضاء بھی تھے، جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین مکہ انہیں زبردستی نکال لائے تھے. ان کے اسلام کے ایک ہی گواہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُٹھے اور کہا:

اللہ کے رسول (قیدی جو قتل کیے گئے تو) سہل بن بیضاء کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں نے ان سے

---

[1] مسندالامام احمد بن حنبل، ج:٦، ص:١٤٠.

اسلام کو پسند کرنے کے جملے سنے ہیں.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کہنے کو تو کہہ گئے اور ان کے پاس دلیل بھی تھی کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں لیکن ان کا یہ جملہ سن کر حضرت رسالت مآب ﷺ خاموش ہو گئے اور ان پر قیامت گذر گئی. ادب کا یہ حال تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:[1]

فما رأيتني في يوم أخوف أن تقع علي حجارة من السماء في ذلك اليوم.

میری زندگی میں اس سے بڑھ کر خوف کا کوئی دن نہیں آیا. مجھے اس دن ایسے لگا جیسے مجھ پر آسمان سے پتھر برسیں گے (کہ میں نے سہل بن بیضاء کو مستثنی کرنے کی جرأت کیوں کر کی؟)

صحیح اور ثابت شدہ حقیقت پر بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا. ادب اور احترام کا اس قدر غلبہ تھا حتی کہ ایک سکوت کے بعد حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:[2]

---

[1] ثلاث رسائل فی موافقات عمر بن الخطاب رضي الله عنه، كتاب نزهة ذوی الالباب فيما وافق به ربه عمر بن الخطاب رضي الله عنه وارضاه، للشيخ ابو عبدالله محمد بن الشيخ برهان الدين المقدسی ، رقم : ٥٠، ص:١٣٤.

[2] بعض محدثین نے اس واقعے کو سہل بن بیضاء کے بھائی سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کر دیا ہے حالانکہ حقیقت اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ ہی کا ہے کیونکہ ان کے بھائی سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ تو بہت قدیم الاسلام تھے حتی کہ وہ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے. انہوں نے اپنا اسلام کبھی چھپایا بھی نہیں تھا اور لطف یہ کہ بدر میں وہ خود حضرت رسالت مآب ﷺ کی قیادت میں مصروف جہاد رہے ہیں اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ معروف معنی میں بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے نہیں تھے. البتہ بدر کے بعد کے معرکوں میں شریک رہے ہیں کیونکہ بدر کے اس واقعے کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر لی تھی پھر تمام عمر وہیں رہے اور یہ دونوں بھائی جنت البقیع میں مدفون ہوئے رضی اللہ تعالی عنہما.

''درست ہے سہل بن بیضاء اس سے مستثنیٰ ہیں''۔
اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جان میں جان آئی۔
اس ادب اور تواضع کا ایک نظارہ اس وقت بھی دیکھنے میں آیا جب آپ کو خلافت نے کوفہ سے مدینہ طیبہ واپس آنے کا حکم دیا۔ کوفہ کے لوگوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ آپ سے درخواست کی کہ آپ خلافتِ عثمانی کے خلاف بغاوت کر دیں اور ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ خلافت کا اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا جو ادب اور احترام آپ کے دل میں جاگزیں تھا اس کا بہت کچھ اندازہ اس جواب سے ہو سکتا ہے، جو اس مطالبے پر آپ نے مظاہرین کو دیا فرمایا:[1]

إن له علي حق الطاعة ولا أحب أن كون أول من فتح باب الفتن.	امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مجھ پر یہ حق بنتا ہے کہ میں ان کی اطاعت کروں اور میں ہر گز نہیں چاہتا کہ اس اُمت میں وہ پہلا شخص بن جاؤں جس نے فتنوں کا دروازہ کھولا تھا۔

یہ ہے خلافت کا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی ادب واحترام۔
حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان سب کو یہ تعلیم دی تھی کہ وہ اختلاف کے باوجود ہر ایک کے حقوق کو ادا کرتے رہیں اور اپنے چھوٹے اور بڑے کی حدِ ادب پہچانتے رہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی وہ فطرتِ سلیمہ اور معتدل مزاج تھا جس کی وجہ سے ہر صحابی اور تابعی رضی اللہ عنہم، ان کی عزت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود اپنے دور خلافت میں بھی ان کے علم اور بلندیٔ مرتبہ کے قائل اور معترف تھے۔ انہی کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا لباس ٹخنوں سے نیچے ہے تو اسے سمجھایا کہ اسے ٹخنوں سے اوپر کر لیں۔ اس نے

---

[1] الإصابة، حرف العين، رقم: ٤٩٧٠، ج:٤، ص:٢٠١.

ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ ابن مسعود! آپ کا لباس بھی ٹخنوں سے نیچے ہے، پہلے آپ اپنے آپ کو درست کیجیے. آپ نے اپنا عذر بیان کیا اور خاموش ہو گئے.

اس واقعے کی اطلاع امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس شخص کو سزا دی اور فرمایا:[1]

"کیا تم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منھ آتے ہو".

صحیح نصیحت کو قبول نہ کرنا، اپنے سے بڑوں کے منھ آنا اور یوں ترکی بہ ترکی جواب دینا. یہ سب بے ادبی کی باتیں تھیں اور آج تک بھی بے ادبی ہی کی باتیں ہیں. اور وہ اسی بے ادبی پر سزا کے مستحق ٹھہرایا گیا تھا.

یہ ایک مزید دلیل ہے اس دعوے کی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کس سختی سے ادب و احترام کی روایات کو برقرار رکھنے کے قائل تھے.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بصرہ والوں کی تعلیم اور قانون نافذ کرنے کے لیے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا. حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم بصرہ والوں کو وہاں آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اتنا نفع نہیں ہوا، جتنا کہ ان کے وجود سے ہوا.

حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے وہاں تعلیم کو عام کیا اور قاضی ہونے کی حیثیت سے قانون کا نفاذ بھی کیا. اتنے متواضع تھے کہ فرمایا میری تمنا ہے کہ کاش میں راکھ ہوتا جسے ہوائیں اڑا کر بے نام ونشان کر دیتیں. سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جن حضرات کا بھی اختلاف ہوا، یہ دونوں جماعتوں سے بالکل الگ رہے. صبح ان کی آنکھ کھلتی تھی تو فرشتے قطار باندھ کر کھڑے ہوتے تھے اور ان سے مصافحہ کرتے تھے. باون[52] ہجری میں ان کا انتقال ہوا. اور ادب کا اتنا غلبہ تھا کہ فرماتے تھے:[2]

---

[1] الإصابة، حرف العين، رقم: ٤٩٧٠، ج:٤، ص:٢٠١.

[2] سير أعلام النبلاء، رقم: ١٠٥، ج:٢، ص:٥٠٨.

مامست ذكري بميني منذ بايعت بها رسول الله صلي الله عليه وسلم.

میں نے جب سے اپنے اس دائیں ہاتھ سے حضرت رسالت مآب ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے، تب سے اس ہاتھ سے پوشیدہ اعضاء کو نہیں چھوا.

یہ تھا ادب کہ جس ہاتھ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کا ہاتھ چھوا ہے، وہی ہاتھ ان اعضاء کو بھی لگے جنہیں عرف عام میں ذرا ناپاک سمجھا جاتا ہے یا ممکن ہے بے دھیانی میں وہاں ناپاکی کے کچھ اثرات رہ گئے ہوں اور وہ ناپاکی اس ہاتھ کو لگ جائے. ایسے نہیں ہونا چاہیے.

یہ شریعت کا کوئی حکم نہیں تھا، اور نہ ہی حضرت رسالت مآب ﷺ نے انہیں یہ تعلیم دی تھی بلکہ ان کے من کی گہرائیوں میں جو محبت رچ بس گئی تھی، اُس نے اِس ادب کو جنم دیا تھا محبت ادب سکھاتی ہے اور یہ احتیاط اس محبت کا سچا مظہر تھی.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کو تعلیم دینے اور ان کو ادب سکھانے کے لیے ایسے ہی باشعور، تعلیم یافتہ اور باادب حضرات کو حکومتی عہدے دیا کرتے تھے. تاکہ یہ حضرات جہاں بھی جائیں لوگوں کی تربیت بھی کر سکیں.

عوام کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کو دیکھ کر ان کا مذہب و مسلک اور ان کی پیروی اختیار کرتے ہیں. اور کچھ قدرتی طور پر بھی یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ لوگ اپنے حکمرانوں کی راہ پر چل پڑتے ہیں. امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے، اس لیے انہوں نے کبھی یہ کوتاہی نہیں کی کہ کسی اخلاقی طور پر کمزور فرد کو کسی بڑے عہدے پر فائز کر دیں اور اسی طرح بالواسطہ طور پر عوام کی حالت خراب ہو جائے اور ان کی صحیح تربیت نہ ہو سکے. حکمران جب بے ادب ہوں تو رعایا بھی بے ادب ہو جاتی ہے. حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی باادب تھے، ان کے مقرر کردہ خلافت کے نمائندے بھی باادب تھے اور اس تمام ادب کا منبع حضرت رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی قدر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ادب و احترام کا ایک بڑا حصہ آپ کی طبیعت میں ودیعت فرمایا تھا.

مفتی محمد سعید خان صاحب

FM 100 کے اور اس کے علاوہ دیگر مواقع پر نشر ہونے والے چند بیانات کے موضوعات کی فہرست

تفسیر سورۃ الفاتحہ

تفسیر سورۃ البقرۃ (جاری)

تفسیر سورۃ الحج (جاری)

تفسیر سورۃ یٰسین (جاری)

صحیح عقائد (تفصیلی بیانات) (جاری)

توحید کی اہمیت (ایمان کی سلامتی سب سے اہم)

ایمان کے مختلف شعبے

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وحدۃ الوجود کے بارے میں بیان

تقدیر کے متعلق بیان / وقت کی اہمیت

ختم نبوت (قادیانیوں کو قبول اسلام کی دعوت)

حضور اقدس حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلو

حضور اقدس حضرت محمد ﷺ کے آباؤ اجداد

فضائل و مناقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

فضائل و مناقب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

فضائل و مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

فضائل و مناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ

فضائل و مناقب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں بیان

طہارت اور وضو کا صحیح طریقہ

تیمم کے احکامات اور مسائل

اذان اور اقامت کہنے کا صحیح طریقہ

نماز کے صحیح اوقات

نماز کے فرائض

نماز جنازہ اور تدفین کا صحیح طریقہ

حج و عمرہ کا سنت طریقہ

عید الاضحیٰ پر قربانی کا صحیح طریقہ

انسانی تعلقات اور معاملات

تصوف کی حقیقت اور اعتدال کا راستہ (عبقات)

تصوف میں حق اور باطل کا فرق (عبقات)

اخلاقیات میں ادب کا مقام (عبقات)

اخلاقیات

روحانی طہارت (حجۃ اللہ البالغہ)

اللہ کی یاد

انسانیت کی تعلیم (عبقات)

اسلام میں تعلیم کی اہمیت (تاریخ کے حوالے سے بات)

جدید تعلیم و تہذیب شریعت کا نقطہ نظر

تعلیم نسواں کی اہمیت

معاشرے میں جرائم کی وجوہات (عبقات)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز، تجزیہ اور صراط مستقیم

فلسفہ کی مختصر تاریخ اور تشریح

المناد کے اغراض ومقاصد

المناد کی دعوت کا اصل ہدف فرد ہے اور فرد کی اصلاح کیلئے ہر ماہ آپ کی خدمت میں پیش ہے :۔

(۱) قرآن کریم کا آسان ترجمہ اور عام فہم تفسیر۔

(۲) ریڈیو FM 100 سے نشر کیے جانے والے دو مشہور زمانہ پروگرام :۔

☆ الفرقان ☆ عبقات بصورت تحریر :۔

(۳) روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا، شریعت کے مطابق حل۔

AL MUNAD

MONTHLY

29/ Press, Dec ڈیکلریشن نمبر

Rabi-ul-Awwal 1431/ March 2010
Volume-1
Issue- 2

Printed and published at Instant Print System (Pvt) Ltd.
G-10/4, Islamabad by Muhammad Rashid
on behalf of
AL-NADWA EDUCATIONAL TRUST
CHATTER PARK ISLAMABAD
PAKISTAN 46001